وُہ فتوے یہ ہے

(۱) کیا ہندوستان دار الحرب ہے؟

(۲) اور

اگر ہے تو پھر کیا اسمیں ہندؤں عیسائیوں وغیرہم سے سود لینا جائز ہے؟

(لانہم (الکفار) قالوا انما البیع مثل الربٰو- واحل اللہ البیع وحرم الربٰو)

سود کے معاملہ (لین دین) کی ممانعت پر علماء اسلام کا اتفاق ہے (چنانچہ پہلے فتوے مندرجہ اشاعۃ السنہ نمبر ۷ وغیرہ جلد ہذا سے ناظرین کو معلوم ہوا- اور اس سے پہلے نمبر ۶ وغیرہ جلد ۱۲- اشاعۃ السنہ میں یہ ثابت ومحقق ہو چکا ہے کہ حکم قرآنی متعلق حرمت سود باتفاق علماء سلف وخلف عام ومطلق بلا قید) ہے- اسمیں رباء (سود) قلیل یا کثیر اور ربا دینے والے کے غنی یا فقیر ہونے کی قید ابتدا ر زمانہ اسلام سے آجتک کسی عالم اسلام فقیہہ- محدث- مفسر- وغیرہ کے خیال میں نہیں گذری اور کسی چھوٹے یا بڑے نئی یا پرانی اسلامی کتاب میں پائی نہیں گئی- اسمیں اختلاف رائے ظاہر کیا ہے تو تیرہویں صدی کے اخیر میں سرسید* اور اُنکے اتباع نے ظاہر کیا ہے- اور پھر اُسکا کوئی ثبوت نہیں دیا- تو اب حلت سود کے عشاق ومشتاقوں کی (جو مسلمانوں کی قومی ترقی کا مدار اسی سود کو سمجھے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کا تجارت

---

* اسمیں سرسید نے یہ اختلاف ظاہر کیا ہے کہ آیت حرمت ربو میں غریبوں سے سود لینے کی ممانعت مقصود ہے نہ اہل وسعت واغنیاء سے اور انکے اتباع نے یہ اختلاف ظاہر کیا ہے کہ اسمین دو گنے سہ گونہ سود لینے کی قید معتبر ہے- تھوڑے سود سے ممانعت مقصود نہیں- ان دو نو خیال کا جواب اشاعۃ السنہ نمبر ۶ وغیرہ جلد ۱۲ میں مفصل دیا گیا ہے- جسکے پاس پرچہ نہ ہو وہ نمبر مذکور بارسال قیمت عصہ دفتر اشاعۃ السنہ بٹالہ ضلع گورداسپور سے طلب کریں

میں دوسری قوموں سے پیچھے رہنا اور افلاس و ذلت کے گڈھے میں گر جانا اسی اسلامی مسئلہ حرمت سود کو قرار دیچکے ہیں۔) نظر میں سود کو حلال بنانے کے لئے کوئی حیلہ و وسیلہ بغیر اسکے باقی نرہا تھا کہ وہ ہندوستان کو دارالحرب بنائیں اور بدست آویز اس مسئلہ بعض کتب فقہ کے کہ دارالحرب میں حربیوں سے سود لینا جایز ہے۔ غیر قوموں سے سود لینے کو حلال اور جایز کرلیں۔

آنہوں نے یہ مسئلہ کسی سے سُنکر اُسکو از بس غنیمت سمجھا اور اپنی دلی خواہش کو پورا کرنے کا کافی ذریعہ خیال کرکے یہ ٹھرالیا کہ چلو بالفعل ہندوستان کو دارالحرب بناوین اور بدست آویز اس مسئلہ کے اسمیں کافروں سے سود لینے کو جایز کرین۔ اور پھر جب کافروں سے سود لینا عموماً مسلمانوں میں جایز مانا جائیگا تو مسلمانوں کا باہم سود لینا دینا کسی اور حیلہ سے جایز کیا جائیگا۔

یہ سوچکر اُنہوں نے اس مسئلہ کی تصدیق کے لئے بعض علماء وقت کیطرف (جو بظاہر اولڈ فیشنڈ (قدیم طرز و طریق) کے علماء ہیں اور حنفی المذہب کہلاتے ہیں۔ مگر در پردہ اور حقیقت میں وہ نئی روشنی کی جھلک میں آگئے ہیں۔ اور نئی تہذیب کے رنگ سے رنگین ہوکر پابندی مذہب کو دل سے خیرباد کہچکے ہیں۔) رجوع کیا۔ اُنہوں نے صرف اس خیال سے کہ مسلمانوں کو حکم حرمت سود نے تجارت سے روک رکھا ہے۔ اور افلاس کی ذلت میں پھنسایا ہوا ہے۔ اور اس ہوس سے کہ مسلمان اور اقوام کیطرح سودی تجارت کرین تو دنیاوی ثروت و دولت حاصل کریں۔ بے سوچے بن سمجھے جھٹ پٹ یہ فتوے دیدیا کہ ہاں جی ہندوستان دارالحرب ہے (چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اور مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی اور نواب صاحب مرحوم بھوپال کا فتوے ہی) اور دارالحرب میں حربیوں سے سود لینا جائز و حلال ہے۔ (چنانچہ درمختار و ہدایہ میں لکھا ہے) اور کہا کہ یہ وہ سود نہیں جو قرآن میں حرام کیا گیا ہے۔ بلکہ یہ کافروں کا مال مباح ہے جو ایک حیلہ سود سے لیا جاتا ہے۔ اسکو شیر مادر کیطرح حلال سمجھکر غٹ غٹ کرکے نوش جان کرجانا چاہیئے۔ یہ فتوے مل گیا تو پھر کہا تھا۔ اور عاشقین و مشتاقین حلت سود کو اور کیا چاہیئے تھا "اندھا کیا چاہیئے دو آنکھیں"۔ اُنہوں نے اس فتوے کو چوما چاٹا اور آنکھوں پر لگایا اور سر پر رکھا

اور پھر کسی اور عالم حنفی وغیرہ کیطرف) جو حقیقۃً اولڈ فیشن (پرانے خیال) کے علماء ہیں۔ رجوع نہ کیا اور اسکو غیر ضروری بلکہ مضر مطلب سمجھ کر اس مسئلہ کا امتحان (ایگزیمیشن) کسی دوسرے سے نہ کرایا۔ اور پنجاب میں ایک اسلامی بنیک "ڈائمنڈ جوبلی بنیک" کے نام تجویز کیا۔ اور کھولدیا اس اثناء میں لاہور میں ایک مجلس اسلامیہ (انجمن نعمانیہ) کے سالانہ جلسہ کا اتفاق ہوا۔ اور اس جلسہ کیوجہ سے باہر کے علماء کا لاہور میں آنا ہوا۔ اور ایک خاص مجلس میں انکا ایک اتفاقی اجتماع ہوا۔ تو اسمیں اس مسئلہ کا سرسری طور پر مذاکرہ ہوا۔ جو ناتمام رہا۔ جیساکہ وہ اجتماع بھی ناتمام تھا۔ تو اس ذکر کو یاروں نے ازبس غنیمت سمجھا۔ اور اپنے مدعا (حلت سود) کے ثبوت کے لئے ایک بڑی بھاری دست آویز اور کافی وسیلہ خیال کرکے اس ناتمام کارروائی میں اپنے پاس سے کچھ ملاکر راولپنڈی کے اخبار چودھویں صدی میں (جو حلت سود کی بانی اور ہندوستانی مسلمانوں کی ترقی قومی کے آدم ثانی (سرسید) کے ایک گرمجوش پیرو وحامی کا اخبار ہے) چھپواکر مشتہر کردیا۔ پھر اسی اخبار سے وہ غلطی آمیز واقعہ پیسہ اخبار لاہور و وفادار لاہور نے بھی اخذ کرکے مشتہر کردیا۔ جس سے عام مسلمانوں کے دلوں میں غلط خیال پیدا ہوگیا۔ کہ درصورت دارالحرب ہونے ہندوستان کے اسمیں کافروں سے سود لینا باتفاق علمائے حاضرین جلسہ جائز و مباح قرار دیا گیا ہے۔ (چنانچہ اس مضمون کے کئی خطوط جبل پور اور ضلع کرنال وغیرہ سے ہمارے پاس پہنچے اور وہی خطوط ہمکو اس واقعہ کی اصلی حقیقت بیان کرنے پر باعث ہوئے۔ خاکسار نے اس واقعہ کی اصلی کیفیت ایک خط میں درج کرکے اسکی ایک ایک نقل اخبار چودھویں صدی و پیسہ اخبار و وفادار کے نام روانہ کی۔ اور انکے ایڈیٹروں سے درخواست کی کہ وہ اس خط کو اپنے اپنے اخباروں میں درج کرکے اپنی غلطی کی تصحیح کریں۔ اور اپنے فرض منصبی کو ادا کرنے سے سبکدوش ہوجائیں۔ وہ خط یہ ہے۔

دفتر اشاعۃ السنہ بٹالہ ضلع گورداسپورہ ۹-۲۲ فروری ۱۸۹۸ء ۸۴-۹۸ وغیرہ

مجتبی مکرمی ایڈیٹر پیسہ اخبار و چودھویں صدی وغیرہ۔

بعد سلام مسنون الاسلام واضح ہو کہ اخبار چودھویں صدی ۲۳ جنوری ۱۸۹۸ء میں جو مضمون چھپا ہے کہ "دارالحرب میں سود لینے کے جواز پر علمار لاہور کی (جنمیں اس خاکسار کو بھی شامل کیا گیا ہے) پانچ چھ گھنٹہ تک بحث ہوئی۔ اور اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ اگر ہندوستان دارالحرب ہے تو اس میں غیر مسلم سے سود لینا جائز ہے"۔ یہ سراسر غلط اور محض مغالطہ ہے جس سے سود جائز کرنے والے مسلمانوں کے لئے ایک ناجائز دست آویز پیدا ہو گئی ہے۔ لہذا میں اصل حقیقت تحریر کر کے آپ کی خدمت میں ارسال کرتا ہوں۔ آپ اسکو اخبار میں درج کر کے ان مسلمانوں کو مغالطہ سے بچاویں۔ اور اپنا فرض منصبی (ایک غلط واقعہ مندرجہ اخبار کی تردید و تغلیط) عمل میں لاویں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ۲۔ جنوری ۱۸۹۸ء کی شام کو خاکسار مولوی تاج الدین صاحب مختار لاہور کے مکان پر ایک اور قومی ضرورت کے واسطے پہنچا تو وہاں یہ مسئلہ پیش ہوا۔ کہ حنفی مذہب میں دارالحرب میں حربی کافروں سے سود لینے کو جائز لکھا ہے۔ جسکی دلیل ہدایہ وغیرہ میں یہ بیان کی ہے کہ حربی کافروں کا مال دارالحرب میں مباح ہے۔ لہذا مسلمان جس طریق سے (سود یا قمار وغیرہ کے نام سے) جسمیں غدر نہ پایا جائے اسکو لے جائز ہے اور وہ اس سود میں داخل نہیں جسکو خدا تعالےٰ نے حرام کیا ہے۔ اور یہ سوال ہے پیش ہوا۔ کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ یا نہیں اور اسمیں کافروں سے سود لینا جائز ہے یا نہیں۔ مینے پہلے مسئلہ مذہب حنفی کی نسبت کہ وہ صحیح ہے یا غلط تو اپنی رائے کچھ ظاہر نہ کی۔ صرف دوسرے سوال کی نسبت حنفی مذہب کی ایک مشہور کتاب فصول عمادیہ کا حوالہ دیکر کہا کہ ہندوستان دارالحرب نہیں ہے۔ اور اسیوقت مولوی تاج الدین صاحب کے کتب خانہ سے اپنا رسالہ اقتضاد فی مسائل الجہاد نکلوا کر اسمیں فصول عمادیہ کی اصل عبارت دکھادی۔

مولوی محمد حسن صاحب مدرس اسکول* راولپنڈی نے جو اسوقت حاضر مجلس تھے۔ اسکے برخلاف دعوےٰ کیا۔ اور کہا کہ "ہندوستان دارالحرب ہے، اور اسمیں کافروں سے سود لینا جائز ہے" اور کہا کہ "ہندوستان دارالحرب نہ ہو تو اسصورت میں ہمکو معاملہ سود کے عدم جواز میں (کافروں

* یہ مولوی صاحب اصل تو وطن موضع بہین ضلع جہلم میں۔ مولوی ہونے کے ساتھ شاعر بھی ہیں انکا تخلص فیضی ہے۔

کے ساتھ ہے کیون نہ ہو۔) اختلاف نہیں اتفاق ہے" غرض ہندوستان کے دار الحرب نہونے کی صورت مین عدم جواز معاملہ سود پر اتفاق فریقین ہوا۔ دار الحرب ہونیکی صورت مین جواز معاملہ سود کی نسبت مینے اپنا اتفاق رائے ظاہر نکیا۔ صرف حنفی مذہب کی رو سے اسکا جواز بیان ہوا۔

پھر یہ قرار پایا کہ لاہور کے جملہ علماء اہل افتاء کل اسی مقام مین جمع ہون اور اس مسئلہ پر بحث کرکے اس مسئلہ کا تصفیہ کریں۔ ۳ جنوری ۱۸۹۵ء خاکسار حسب میعاد اس مقام میں پہنچا تو وہان علماء لاہور سے جو اس مجلس میں بلائے گئے تھے ایک کو بھی نہ پایا۔ مولوی تاج الدین صاحب خشب نے خاکسار کو مخاطب کرکے فرمایا کہ جب تک اور صاحب نہ آوین آپ اور مولوی محمد حسن صاحب گفتگو کرین۔ مینے کہا کہ جو عبارت فصول عمادیہ میں شب کو پیش کر چکا ہوں اب اس سے زیادہ تر کچھ پیش کرنا نہیں چاہتا۔ میرے پاس اسباب میں روایات فقیہہ و اقوال فقہاء کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔ جو اسوقت دفتر اشاعۃ السنہ بٹالہ میں ہے اسکو میں پھر پیش کرونگا بالفعل مولوی محمد حسن صاحب کے دلائل و مستندات سُننا اور دیکھنا چاہتا ہون جسکے واسطے میں اسوقت آیا ہون۔ جسپر مولوی محمد حسن صاحب نے فتاوے عزیزیہ اور جامع الرموز کو پیش کیا اور انیز کتاب کافی کی ایک عبارت اس مضمون کی دکھائی کہ "جو ملک کافر بادشاہ کے زیر حکومت ہو وہ دار الحرب ہے۔ دار الاسلام وہی ملک ہے جو مسلمان بادشاہ کے زیر حکومت ہو" مینے اجمالی اور سرسری طور پر اس عبارت کا ان نصوص نبویہ کے جنمیں یہ بیان و تصریح آچکی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم جس شہر یا بستی میں اذان کی آواز سنتے اُسپر چڑہائی اور لڑائی سے رُک جاتے مخالف ہونا اور نیز محقق مذہب حنفی کے بھی مخالف ہونا بیان کیا اور اُسکی تفصیل میں اقوال و روایات فقہاء اور نصوص نبویہ کے پیش کرنے کو دوسرے وقت پر (جبکہ روایات فقیہ کا ذخیرہ بٹالہ سے آجاوے) محول کیا۔ اور جلسہ قیل و قال متعلق مسئلہ ہذا جسکی میعاد ایک گھنٹہ سے زیادہ نہوگی برخاست ہوا۔ اس سے ناظرین باتمکین سمجھ سکتے ہیں کہ اس واقعہ کے بیان میں ان اخبار والوں نے کہاں تک اصلیت سے کام لیا گیا ہے۔

برخاستگی جلسہ کے وقت دینے پر وسیڈنگ (کیفیت جلسہ کی جو بطور یادداشت لکھی جاتی ہے)
کی نقل چاہی تاکہ اسکے مقابلہ و معارضہ میں میں مستندات و روایات متمسکہ مولوی محمد حسن صاحب کا
مفصل جواب لکھ کر پیش کروں وہ نقل مجھکو نامکمل ملی وہ دینے حاجی چراغ الدین صاحب رکن انجمن
نعمانیہ حاضر مجلس کے حوالہ کرکے اُن سے تاکیدی التماس کی کہ یہ نقل مکمل کرکے معہ اُن
کتابوں کے جو مولوی محمد حسن صاحب نے پیش کی ہیں میری فرودگاہ لاہور میں بھیجدیں۔ پھر
اس جلسہ کے بعد بارہا بالواسطہ اور بلاواسطہ مولوی تاج الدین صاحب سے نقل طلب کیگئی
مگر ۲۰۔ جنوری ۱۸۹۸ء تک وہ نقل مجھے نہ ملی یہانتک کہ ماہ مبارک رمضان شریف قریب آپہنچا۔ اور
اسکی وجہ سے مجھے اپنے وطن بٹالہ میں آنا پڑا اسوجہ سے خاکسار مولوی محمد حسن صاحب کی مستندات
و روایات کا جواب زمانہ قیام لاہور میں نہ دیسکا۔ بعد رمضان شریف کے اسباب میں
ایک مستقل مضمون اشاعۃ السنہ میں درج ہوگا۔ جسمیں مولوی محمد حسن صاحب کے مستندات کا مفصل
جواب دیکر یہ ثابت کیا جائیگا کہ محقق مذہب حنفی کے رو سے ہندوستان دارالحرب نہیں۔ اور بصورت
فرض و تسلیم اسکے کہ حنفی مذہب کے رو سے ہندوستان دارالحرب ہے۔ یہ ثابت کیا جائے گا۔
کہ یہ مسئلہ غلط ہے اور لائق اعتماد نہیں ہے کہ دارالحرب میں حربیوں سے سود لینا جائز ہے
خلاصہ یہ کہ نہ تو ہندوستان کے دارالحرب ہونے یا نہ ہونے میں فریقین نے مفصل بحث کی اور
نہ بصورت دارالحرب ہونے ہندوستان کے اسمیں جواز معاملہ سود پر اتفاق فریقین ہوا۔ تفصیلی
بحث صرف ایک فریق کی طرف سے ہوئی اور اتفاق اسپر ہوا کہ بصورت دارالحرب نہ ہونے
ہندوستان کے کفار سے اسمیں سود لینا جائز نہیں۔ اس مضمون کو پڑھ کر امید ہے کہ شائقین و
عاشقین حلت سود کو اپنی رائے جو اس واقعہ کی نسبت ہے وہ اُن اخبارون کو دیکھ کر قائم کرچکے
ہیں بدل دینگے۔ اور اُنسے التماس ہے کہ اسباب میں کوئی رائے قائم کرنے میں۔ جلدی نکریں
جب تک اشاعۃ السنہ کے مستقل و مفصل مضمون کو جسکا وعدہ دیا گیا ہے دیکھ نہ لیں۔

اس خط کو ایڈیٹر چودھویں صدی نے درج اخبار نہ کیا۔ اور نہ ہمکو اس خط

کا جواب دیا۔ اور یہی امر ان سے متوقع تھا۔ وہ حلت سود کے حامی اور سرسید کے پیرو نامی ہو کر کب جرأت کر سکتے تھے کہ وہ اس خط کو چھاپتے اور حلت سود کی ایک بناوٹی دست آویز کی قلعی کھولتے۔ ہاں پیسہ اخبار کے ایڈیٹر نے اس خط کو اپنے روزانہ اخبار میں چھاپ کر اپنا فرض منصبی ادا کیا۔ اور نیک نیتی کا ثبوت دیا۔ خاکسار نے پیسہ اخبار کا ورق جس میں وہ خط درج تھا۔ کاٹ کر مولوی محمد حسن صاحب مدرس اسلامی اسکول راولپنڈی کے پاس اپنے خط کے ذریعہ اس غرض سے بھیجدیا کہ شاید وہی صاحب ایڈیٹر چودھویں صدی کو اس خط کو اخبار میں چھاپنے اور اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے پر باعث ہوں۔ اور یہ بھی انکو لکھدیا کہ اگر وہ اپنے دلائل و مستندات کا جو جلسہ سرسری مذاکرہ میں اُنہوں نے پیش کئے تھے جواب مفصل خاکسار سے چاہتے ہیں۔ تو ان دلائل کو تفصیل تحریر کرین۔ یا کیفیت جلسہ لاہور کی پوری نقل بھیجدیں۔ مگر مولوی محمد حسن صاحب نے بھی نہ تو ہمارے اس خط کا جواب ہمکو دیا۔ اور نہ اُس خط کو اخبار چودھویں صدی میں چھپوایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب بھی ایڈیٹر اخبار چودھویں صدی کی پالیسی و روش کو پسند کرتے ہیں۔ یا وہ اپنے دلائل کو ریزرو فورس (محفوظ فوج جو آخری وقت جنگ میں پیش کیا جاتا ہے) سمجھکر سردست بیان کرنا نہیں چاہتے۔ ہمارے مضمون کے شائع ہونے کے بعد وہ اسکو شائع کرینگے۔ آنکا یا اُنکے ہم روش و ہم خیال ایڈیٹر اخبار چودھویں کا خیال خواہ کچھ ہو ہم اپنے خط اور مجلس مذاکرہ کا وعدہ پورا کرتے ہیں۔ اور دونو سوال مندرجہ عنوان کا جواب مفصل و مدلل قلم میں لاکر مسلمانون پر ظاہر اور ثابت کرتے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانون کو غیر اقوام سے بھی سود لینا جائز نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق ومنہ الوصول الی التحقیق۔

ہمارے نزدیک اور ہر ایک محقق و مبصر فقیہ و محدث کے نزدیک عنوان مضمون کے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ہندوستان دار الحرب نہیں۔ بلکہ دار الاسلام ہے۔ اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض ہندوستان دار الحرب ہو تب بھی اسمیں

غیر اقوام سے (اس غلط خیال سے کہ وہ حربی ہیں۔ اور حربیوں کا مال و جان مطلقاً مباح ہوتا ہے) سود لینا جائز نہیں ہے۔

پہلے سوال کے جواب کی شرعی دلیل اور اسکے شواہد فقہی روایات و اقاویل

دارالحرب وہ ملک یا شہر ہے جس سے مسلمانوں کو ہجرت کرنا فرض ہو۔ اور ہندوستان ایسا نہیں کہ اس سے ہجرت کرنا فرض ہو۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان دارالحرب نہیں۔ اس دلیل کے پہلے مقدمہ پر دلیل نص قرآن و حدیث ہے۔ دوسرے مقدمہ پر تین قسم کے دلائل شاہد ہیں **قسم اوّل** وہ احادیث و آثار ہیں جنمیں یہ ذکر ہے کہ ہندوستان کے جیسے ملک ماتحت حکم نصارے (یعنی ملک حبشہ) کیطرف مسلمانوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ ہجرت جائز رکھی **قسم دوم** وہ احادیث ہیں جنمیں آنحضرت کا یہ قول بیان ہوا ہے۔ کہ جس شہر یا گاؤں محل تسلط مخالفین میں اذان ہو۔ یا کوئی مسجد نظر آوے وہاں کسیکو قتل نہ کرو۔ جو اس کہنے کے برابر ہے کہ وہ شہر یا گاؤں لڑائی چڑھائی کے لائق اور دارالحرب نہیں ہے۔ اور اسی کے مطابق آپ کا عمل مدام تھا **قسم سوم** تمام مسلمانان ہندوستان کا (جنمیں ہندوستان کو دارالحرب کہنے والے بھی داخل ہیں) کا یہ عمل و اعتقاد کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کو فرض نہیں کہتے۔ اور پشت در پشت اسی ہندوستان میں رہتے چلے آئے ہیں

یہ دلیل ان لوگوں پر جو ہندوستان دارالحرب کہتے ہیں۔ ایک الزامی دلیل ہے۔ کہ اگر آپ لوگوں کے نزدیک ہندوستان دارالحرب ہے تو پھر آپ لوگ باوجود استطاعت اس ملک سے ہجرت کرنے کو فرض کیوں نہیں کہتے۔ اور خود اُس فرض کو کیوں ادا نہیں کرتے۔ بعض آپ لوگوں میں سے مکہ مکرمہ میں حج کرنے جاتے ہیں۔ اور پھر حج کرکے اسی دارالحرب میں واپس تشریف لے آتے ہیں۔ +

پہلے مقدمہ کے دلائل کی تفصیل

قرآن میں ارشاد ہے کہ۔ جن لوگوں کو فرشتے ماریںگے اس حالت میں کہ وہ (ہجرت ترک کرکے)

ان الذین توفاھم الملائکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیما کنتم۔ قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا۔ اولئک ماواھم جھنم و ساءت مصیرا۔ الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلۃ و لا یھتدون سبیلا۔ النساء ع ۱۴۔

اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہونگے۔ انکو فرشتے کہیں گے تم کس دین میں تھے۔ (یعنے مسلمان تھے یا مشرک کہ انہی لوگوں میں رہے) وہ (ظالم جھوٹا عذر کرکے) کہیں گے ہم (اس) زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے۔ فرشتے کہیں گے۔ کیا خدا کی (اور) زمین فراخ نہ تھی جسمیں تم ہجرت کرکے جابستے۔ ان ظالموں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور وہ بُری پھرنے کی جگہ ہے۔

اس حکم سے وہ لوگ مستثنے ہیں جو واقعی کمزور ہیں (جو ہجرت کرنے کی) کوئی تدبیر نہیں کرسکتے۔ اور نہ اُسکی طرف راہ پاتے ہیں۔ تفسیر معالم التنزیل۔ تفسیر کبیر۔ فتح البیان وغیرہ میں ہے

کان سبب النزول من اسلم ولم یھاجروا ھذا اعتذار غیر صحیح اذا کانوا یستطیعون حیلۃ ویھتدون السبیل۔ فتح البیان ص۶۱۶ جلد ۱۔ معالم ص۲۴۸ تفسیر کبیر ص۴۲۹ جلد ۳۔

کہ یہ آیت اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو مکہ میں رہے اور اُنہوں نے ہجرت نہ کی انکا یہ عذر کہ ہم کمزور تھے صحیح نہ تھا۔ اُن کو تدبیر ہجرت کی طاقت تھی اور وہ راہ پاسکتے تھے۔

قال الحافظ وکانت الحکمۃ ایضا فی وجوب الھجرۃ علی من اسلم لیسلم من اذی من یؤذیہ من الکفار فانھم کانوا یعذبون من اسلم منھم الی ان یرجع عن دینہ وفیھم

نیل الاوطار میں ہے کہ حافظ (ابن حجر) نے کہا ہے کہ ہجرت کے واجب ہونے میں حکمت یہ ہے کہ مسلمان ہجرت کرکے کفار کی ایذا سے بچ جائیں۔ وہ لوگ مسلمانوں کو

نزلت ان الذین توفاهم الملائکة الآیة
(نیل الاوطار ص۲۲۱ جلد ۷)

تکلیف وایذا پہنچانے تاکہ وہ اپنا دین چھوڑ دیں ان ہی لوگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی

ان الذین توفاهم الخ۔

کتب حدیث میں اس مضمون کی بہت سی احادیث ہیں جن میں مشرکوں کے ملک میں رہنے سے منع کیا ہے۔ اور انسے ہجرت کرنے کا حکم دیا ہے۔

زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں ہے۔ آنحضرت نے مشرکوں کے بیچ میں ٹھہرنے سے منع کیا ہے جب مسلمان ہجرت کرنے پر قادر ہوں آپ نے[1] فرمایا ہے میں اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکوں میں ٹھہرے لوگوں نے عرض کیا کیوں آپ نے فرمایا اسمیں سے ایک کی آگ دوسرے کی آگ کو نہ دیکھے۔ یا دیکھ نہیں سکتی اور آپ نے[2] فرمایا ہجرت مکہ کے بعد بھی ہجرت ہوگی سو تمام زمین والوں سے افضل وہ لوگ ہیں جو حضرت ابراہیم کے ہجرت کی جگہ (مکہ) کو جا پکڑیں۔ اور زمین میں ایسے لوگ باقی رہ جاینگے جنکو ان کی زمین پھینک دیگی۔ اور خدا تعالے انکو ناپاک قرار دیگا اور بندروں اور خنزیروں کے ساتھ انکا حشر کریگا۔

ومنع رسول الله من اقامة المسلم بین المشرکین اذا قدر علی الهجرة من بینهم فقال[1] انا بری من کل مسلم یقیم بین اظهر المشرکین قیل یا رسول الله ولم۔ قال لا تتراءا ناراهما وقال[2] من جامع المشرکین فهو منهم وقال[3] ستکون هجرة بعد هجرة فخیار اهل الارض الزمهم مهاجر ابراهیم ویبقی فی الارض شرار اهلها تلفظهم ارضوهم تقذرهم نفس الله تعالی ویحشرهم الله مع القردة والخنازیر (زاد المعاد ص۲۲۲)

ان تین احادیث میں سے پہلی اور دوسری حدیث کو **ابوداؤد** وغیرہ نے روایت کیا ہے اور کتاب **منتقی الاخبار** میں ان احادیث سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ دار الحرب سے دار الاسلام کیطرف ہجرت کرنا واجب ہے۔ اور اسکی شرح **نیل الاوطار** میں یہ چوتھی حدیث ہے نقل کی ہے

بھز بن حکیم بن معاویہ بن حیدہ عن ابیہ عن جدہ مرفوعاً لا یقبل اللہ من مشرک عملاً بعد ما اسلم او یفارق المشرکین۔ نیل الاوطار صفحہ ۲۳ جلد ۷	کہ خدا تعالے کسی مشرک کا کوئی عمل مسلمان ہو جانے کے بعد بھی قبول نہیں کرتا۔ جب تک کہ وہ مشرکوں سے جدا نہ ہو جائے۔ یعنے ہجرت نہ کرے۔

ان چاروں احادیث اور دیگر احادیث میں مشرکین کی جگہ سے جو حکم ہجرت کی تاکید ترک اور اسپر سخت وعید وارد ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ اب رہا یہ امر کہ اس جگہ سے خاصکر دار الحرب مراد ہے جسمیں مسلمانوں کو مذہب کے رو سے تکلیف و تنگی ہو۔ (جیساکہ صاحب منتقی الاخبار وغیرہ علماء نے بیان کیا ہے) خود جگہ مشرکین کی جسمیں مسلمان کو شعائر مذہب ادا کرنے سے روک ٹوک نہ ہو۔ اور اسلام اختیار کرنے پر ایذا نہ پہنچے سو آیت منقولہ بالا اور اسکی تفسیر ماثور سے ثابت ہے۔ اور اسکی مزید تشریح دلائل مقدمہ دوم میں ہوگی انشاء اللہ تعالے

دوسرے مقدمے کے دلائل

دلائل قسم اوّل

اسمیں ان روایات حدیثیہ و آثار سلفیہ کا بیان ہوگا جسمیں مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کا ذکر ہے۔ ان روایات سے پہلے ان حالات آنحضرت و اصحاب نبوی کا بیان مناسب ہے جو حالات ان حضرات کو ہجرت پر باعث اور وجوب ہجرت کے موجب ہوئے۔ تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو کہ کوئی ملک یا شہر (جو غیر مسلم اقوام میں قبضہ میں ہو) کس حالت میں دار الحرب بنتا ہے۔ اور کس صورت میں اس سے مسلمانوں کو ہجرت کرنا واجب ہوتا ہے۔ پس واضح ہو کہ وہ حالت جسمیں آنحضرت اور اصحاب نبوی پر ہجرت واجب ہوئی تھی یہ حالت تھی کہ مسلمان صرف اسلام کی وجہ سے کفار کے ہاتھ سے تکلیف پاتے۔ اور شعار مذہب نماز تلاوت قرآن کلمہ پڑھنے سے روکے جاتے تھے۔

آنحضرت اور اصحاب نبوی کو جو مکہ والے کافروں کے ہاتھوں سے اس قسم کی تکلیف پہنچی۔ اور مزاحمت ہوئی تھی۔ اسکی تفصیل بہت تطویل چاہتے ہیں۔ مگر ہم بہ نظر اختصار چند تمثیلات کے ذکر و بیان پر اکتفا کرتے ہین۔

اوّل۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاری آنحضرت کے شوق زیارت سے مدینہ پہنچے۔ اور آنحضرت کا پتہ مشرکین مکہ سے دریافت کیا۔ تو مشرکین نے انکو ہڈیوں اور پتھروں سے ایسا مارا کہ وہ خون آلودہ ہوگئے پھر جب وہ آنحضرت کی زیارت سے مشرف ہوئے اور پھر مسجد کعبہ میں آکر انہون نے کلمہ شہادت پڑہا تو کفار مکہ نے پھر ویسا ہی مارا اور زمین پر لٹا دیا۔ یہانتک کہ حضرت عباس نے انکو یہ کہکر کہ یہ شخص تو قوم غفار کا ایک ممبر ہے جنکی طرف تمہارا ملک شام کو جانیکا راستہ ہے چھڑایا۔ پھر دوسرے دن ایسا ہی ہوا۔

عن ابی ذر قال فاتیت مکة فتضعفت رجلا منهم فقلت این هذا الذی تدعونه الصابی فاشار الی فقال الصابی فمال اهل الوادی بکل مدرة وعظم حتی خررت مغشیا علی قال فارتفعت حین ارتفعت کانی نصب احمر۔ وفی روایة فخرج حتی اتی المسجد فنادی باعلی صوته اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله وثار القوم فضربوه حتی اضجعوه فاتی العباس فاکب علیه فقال ویلکم الستم تعلمون انه من غفار وان طریق تجارکم الی الشام علیهم فانقذه منهم ثم عاد من الغد لمثلها و ثاروا الیه فضربوه فاکب علیه العباس فانقذه (مسلم صفحہ ۲۹۶ و ۲۹۷)

دوم۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک ایسے وقت میں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم (حرم مکہ میں) سجدہ کی حالت میں تھے۔ اور آپکے آس پاس کفار قریش تھے۔ عقبہ ابو معیط کا بیٹا آیا۔ اور اُسنے ایک اونٹنی کا بچہ دان (اور اوجھڑی وغیرہ) اوٹھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

بینا النبی صلی الله علیه وسلم ساجد وحوله ناس من قریش جاء عقبه بن ابی معیط بسلا جزور فقذفه علی ظهر النبی صلی الله علیه وسلم

فلم یرفع راسہ فجاءت فاطمة فاخذت عن ظھرہ فدعت علی من صنع فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیك الملاء من قریش ابی جھل وعقبة الخ (صحیح بخاری ص۲۴۳)

کی پیٹھ پر پھینکدی آپ اسکے بوجھ سے سر نہ اُٹھا سکے اتنے میں حضرت فاطمہ آئیں تو اُنہوں نے وہ بوجھ اوٹھایا۔ جسپر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کے حقمیں بد دعا کی جو قبول بھی ہو گئی۔

سوم۔ صحیح بخاری میں ہے۔ ایسے وقت میں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کعبہ کی حطیم

بینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی حجر الکعبة اذا اقبل عقبة بن ابی معیط فوضع ثوبہ فی عنقہ فخنقہ خنقا شدیدا فاقبل ابو بکر حتی اخذ بمنکبیہ ودفعہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ (صحیح بخاری ص۵۴۴)

میں نماز پڑہ رہے تھے (وہی) عقبہ آیا۔ تو اُسنے اپنی چادر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گلے میں ڈال کر اُسکو سخت گھونٹا۔ ابو بکر آئے تو اُنہوں نے اس کمبخت کو کہا کہ تم ایک آدمی کو صرف اس وجہ سے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔

چہارم۔ صحیح بخاری میں ہے۔ مسلمان کفار کی تکلیف و ایذادہی میں مبتلا ہوئے

ولما ابتلی المسلمون خرج ابو بکر مھاجرا الی ارض الحبشة حتی اذا بلغ برك الغماد لقیہ ابن الدغنة وھو سید القارة فقال این ترید یا ابا بکر فقال ابو بکر اخرجنی قومی فارید ان اسیح فی الارض فاعبد ربی فقال ابن الدغنة فان مثلك یا ابا بکر لا یخرج ولا یخرج × فانا لك جار ارجع واعبد ربك ببلدك فرجع × فلم تکذب قریش

تو حضرت ابو بکر مکہ سے حبشہ کیطرف کو نکل گئے جب برک الغماد (مقام) کے پاس پہنچے تو انکو ابن الدغنہ بنی قارہ کا سردار ملا اور بولا۔ ابو بکر کہاں جاتے ہو۔ حضرت ابو بکر نے کہا قوم نے مجھے نکال دیا۔ میں کسی زمین میں پھرونگا اپنے رب کی عبادت کرونگا۔ ابن الدغنہ بولا آپ جیسے لوگ نہیں نکالے جاتے۔ چلو اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کرو۔ میں تمہارا

بجوارابن الدغنہ وقالوا لابن الدغنہ مُر
ابابکر فلیعبد ربہ فی دارہ ولا یستعلن بہ
فانا نخشی ان یفتن نساءنا وابناءنا فقال
ذلک ابن الدغنہ لابی بکر فلبث بذلک یعبد
ربہ فی دارہ ولا یستعلن بصلوتہ ولا
یقراء فی غیر دارہ وکان یصلی فیہ یقرأ
القراٰن فیتقذف علیہ نساء المشرکین و
ابناءھم وھم یعجبون منہ وینظرون
الیہ وکان ابوبکر رجلا بکاءً لا یملک عینیہ
اذا قرأ القراٰن وافزع ذلک کفار قریش
فارسلوا الی ابن الدغنہ فقدم علیہم فقالوا
انا کنا اجرنا ابابکر بجوارک علی ان یعبد
ربہ فی دارہ فانہ فان اجب ان
یقتضر علی ان یعبد ربہ فی دارہ وان
ابی فسئلہ ان یرد الیک ذمتک ولسنا
مقرین لابی بکر الاستعلان فقال ابوبکر
انی ارد الیک جوارک وارضی بجوار اللہ
والنبی یومئذ بمکۃ فقال للمسلمین انی
اریت دار ھجرتکم ذات نخل بین لابتین
وھما الحرتان فھاجر من ھاجر قبل المدینۃ
ورجع عامۃ من ھاجر بارض الحبشۃ

حمائتی (یا ذمہ وار امن) ہوں قریش نے اسکے
ذمہ واری کو مان لیا۔ پھر یہ کہدیا کہ ابوبکر اپنے گھر
میں اپنے رب کو چھپے علانیہ طور پر یہ کام نہ کرے ہمکو اندیشہ ہے کہ وہ علانیہ
قرآن پڑھے ہی ہماری عورتوں اور بچوں کو بہکا دیگا
حضرت ابوبکر چند روز تک تو اس شرط پر ٹھہرے۔
پھر اُنکو مناسب معلوم ہوا تو اُنہوں نے اپنے
گھر کے مقابل میدان میں ایک چبوترا نماز
کے لئے بنا لیا۔ اُسمیں وہ نماز و قرآن پڑھتے
تو مشرکوں کی عورتیں اور لڑکے انکے گرد جمع
ہوجاتے۔ اور قرآن سُنکر خوش ہوتے حضرت
ابوبکر قرآن پڑھنے کے وقت بہت روتے
اس سے کفار قریش گھبرا گئے۔ اور ابن الدغنہ
کو بُلا کر بولے کہ ابوبکر کو کہدے کہ یا تو وہ
نماز اور قرآن صرف اپنے گھر میں پڑھا کرے
اور یا تیری ذمہ واری کو لوٹا دے۔ ہم اسکے
علانیہ قرآن پڑھنے کو کبھی جائز نہ رکھیں گے
حضرت ابوبکر نے کہا میں نے تیری ذمہ واری کو
واپس کیا۔ اور خدا کی ذمہ واری پر راضی
ہوا۔ اُسوقت آنحضرت مکہ میں تھے آپنے
مسلمانوں کو فرمایا کہ میںنے خواب میں تمہاری
ہجرت کی جگہ دیکھی ہے۔ وہ کھجوروں والی

الی المدینۃ وتجہز ابو بکر قبل المدینۃ فقال رسول اللہ علی رسلک فانی ارجو ان یؤذن لی الحدیث (صحیح بخاری ص ۵۵۲ و ۵۵۳)	جگہ ہے جسکے دونو جانب سنگترہ والی زمین ہے اس سے بہت لوگوں نے مدینہ کیطرف ہجرت کی حضرت ابو بکر نے بھی اسی طرف تیاری کی تو

آنحضرت نے فرمایا۔ آپ ذرا ٹھریں مجھے بھی امید ہے ہجرت کا حکم ہوتا ہے۔ تو پھر آنحضرت کی ہجرت وقوع میں آئی۔

ان تمثیلات سے بڑھ کر تکلیف وایذا رسانی کفار کی مثالیں معالم اور زاد المعاد کی عبارت میں مذکور ہونگی۔ ان تمثیلات اربعہ اور انکی مصدقہ احادیث سے ناظرین کو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پر مکہ مکرمہ میں کیا حالت گذرتی تھی جس سے آپ پر ہجرت واجب ہوئی اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ ایسے قدیم متبرک اور مقدس جگہ کو چھوڑ کر آنحضرت کے اصحاب نے آپکے حکم سے ملک حبشہ (ابی سینا) کی طرف ہجرت کی۔ جو عیسائی بادشاہ کے زیر حکومت تھا۔ اور اُسکے نسق ونظم سلطنت وغیرہ امور حکومت میں اُسی عیسائی بادشاہ کے مذہب یا آئین وقوانین پر عمل تھا۔ اسلام یا احکام اسلام کا اسملک میں صرف اتنا ہی وجود تھا کہ وہ بادشاہ مسلمانوں کو اُنکے اپنے مذہب کے فرائض ادا کرنے سے نہ روکتا تھا۔ اور صرف اسیقدر امن وآزادی کی نظر سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ملک کو دار الحرب قرار نہ دیا۔ بلکہ دار الاسلام ودار الہجرت قرار دیکر مسلمانوں کو اُسکی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ جس سے اس دلیل کے نتیجہ کا ناظرین کو پورا یقین ہو اور یہ ثابت ہو کہ ملک ہندوستان باوجودیکہ وہ عیسائی سلطنت کے زیر حکومت ہے۔ اور اُسکے نظم ونسق سلطنت اور امور متعلقہ حکومت میں اسی سلطنت کے آئین وقوانین پر عمل ہے۔ صرف اس وجہ سے کہ اسمیں مسلمانوں کو نماز روزہ۔ حج وزکوۃ وغیرہ شعائر اسلام سے جنکا عمل وادائے انکی ذات سے متعلق ہے۔ روک ٹوک نہیں ہے۔ ملک حبشہ کی پوری نظیر ہے۔ اور اس وجہ سے وہ دار الاسلام ہے۔ دار الحرب نہیں۔

پس واضح ہو کہ تفسیر معالم میں ہے کہ اہل تفسیر نے بیان کیا ہے۔ جب قریش نے

قال اهل التفسير ائتمرت قريش ان يفتنوا المؤمنين
عن دينهم فواثب كل قبيلة على من فيها من
المسلمين يؤذونهم ويعذبونهم فافتتن
من افتتن وعصم الله منهم من شاء ومنع
الله تعالى رسوله بعمه ابيطالب فلما رأى
رسول الله صلى الله عليه وسلم ما باصحابه
ولم يقدر على منعهم ولم يؤمر بالجهاد امرهم
بالخروج الى ارض الحبشة وقال ان بها ملكا
صالحا لا يظلم ولا يظلم عنده احد فاخرجوا
اليه حتى يجعل الله للمسلمين فرجا واراد به
النجاشي واسمه اصحمة وهو بالحبشة عطية
وانما النجاشي اسم الملك كقولهم قيصر وكسرى
فخرج اليها سرا احد عشر رجلا واربع نسوة و
هم عثمان بن عفان وامرأته رقية بنت
صلى الله عليه وسلم والزبير بن العوام وعبدالله
بن مسعود وعبد الرحمن بن عوف وابو حذيفة
بن عتبة وامرأته سهلة بنت سهيل بن عمرو
ومصعب بن عمير وابو سلمة بن عبد الاسد
وامرأته ام سلمه بنت ابى اميه وعثمان
بن مظعون وعامر بن ربيعة وامرأته ام
ليلى بنت ابى حثمة وحاطب بن عمرو وسهيل

مشورہ کرکے ٹھہرالیا کہ مسلمانوں کو انکے دین سے
ہٹا دیں تو ہر ایک قبیلہ ان مسلمانوں پر جو انمیں
رہتے تھے کود پڑا - وہ انکو عذاب کرتے اور
ایذا پہنچاتے اس ایذا کے سبب کئی کفر میں مبتلا
ہو گئے - اور جسکو خدا نے چاہا بچا لیا - آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کی وجاہت
کے سبب انکی ایذا سے بچگئے - جب آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی اس تکلیف
کو دیکھا اور یہ قدرت و حوصلہ نہ پایا کہ آپ
انکو اس تکلیف سے بچا سکیں - اور آپ کو
اس تکلیف کی مدافعت (ڈیفینڈ) کے لئے
جہاد کا حکم نہ ہوا تھا (جو پیچھے ہوا) تو آپ نے
ان مسلمانون کو حبشہ کیطرف نکل جانے کا
حکم دیا - اور یہ فرمایا کہ وہاں ایک نیک خصلت
بادشاہ ہے - نہ وہ خود کسی پر ظلم کرتا ہے - نہ
اُسکے پاس کوئی ایک دوسرے پر ظلم کرتا ہے - تم
لوگ اُسکے پاس جا رہو - یہانتک کہ مسلمانوں
کو خدا تعالے نے فراخی دی - اس بادشاہ کا
نام اصحمہ تھا - اور لقب نجاشی جیسے شاہ روم
کا لقب قیصر اور شاہ فارس کا لقب کسرے تھا
سو اس حکم نبوی سے گیارہ مرد اور چار عورتوں

بن بیضاء رض فخرجوا الی البحر واخذوا
سفینة الی ارض الحبشة بنصف دینار
وذلك فی رجب فی السنة الخامسة
من مبعث رسول الله صلعم وهذه الهجرة
الاولی ثم خرج جعفر بن ابی طالب و
وتتابع المسلمون الیها وکان جمیع من
هاجر الی الحبشة من المسلمین اثنین و
ثمانین رجلا سوی النساء والصبیان
فلما علمت قریش بذلك وجهوا عمرو بن
بن العاص وصاحبه بالهدایا الی النجاشی
وبطارقته لیردوهم الیهم فعصمهم الله ذکرت
القصة فی سورة آل عمران (معالم صفحہ ۲۹)
لما هاجر جعفر بن ابی طالب رضی الله عنه
واناس من اصحاب رسول الله صلی الله
علیه وسلم الی الحبشة واستقرت بهم الدار
وهاجر النبی صلی الله علیه وسلم الی المدینة
وکان من امر بدر ما کان اجتمعت قریش فی
دار الندوة وقالوا ان لنا فی الذین هم
عند النجاشی من اصحاب محمد صلی الله
علیه وسلم ثارا ممن قتل منکم ببدر فاجمعوا
مالا واهدوه الی النجاشی لعله یدفع الیکم

نے حبشہ کیطرف ہجرت کی۔ ازانجملہ ایک حضرت عثمان اور آپکے حرم محترم رقیہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھی اور حضرت زبیر بن عوام و عبد اللہ بن مسعود وغیرہ تھے۔ یہ لوگ دریا کیطرف نکلے اور کرایہ کی کشتی پر سوار ہوکر آنحضرت کی بعثت کے پانچویں سال حبشہ پہنچے۔ یہ پہلی ہجرت ہوئی۔ پھر حضرت جعفر بن ابیطالب مکہ سے نکلے۔ اور لگاتار مسلمان حبشہ پہنچنے لگے۔ یہانتک کہ عورتوں اور بچوں کے علاوہ بیاسی آدمی وہاں جمع ہو گئے۔ قریش کو یہ خبر پہنچی تو اونہوں نے عمرو بن عاص اور اُسکے ساتھی کو تحفے ہدیہ دیکر نجاشی کے پاس اس غرض سے بیجا کہ وہ اُن مہاجرین کو حبشہ سے نکالکر مکہ کیطرف لوٹائے۔ مگر خدا تعالےٰ نے اس مکر قریش سے اُن مہاجرین کو بچالیا اسکا قصہ مفصل معالم میں تفسیر سورہ عمران میں گذر چکا ہے اُس مقام میں تفسیر معالم میں کہا ہے۔ کہ جب حضرت جعفر وغیرہ حبشہ میں پہنچ گئے اور وہاں اُنکا قیام ہو گیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کیطرف ہجرت کی اور بدر کے واقعہ میں جو ہونا تھا ہو چکا یعنے کفار قریش کو خدا نے مغلوب اور تہ تیغ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو غالب کیا، تو قریش مکہ اپنی کمیٹی گھر میں جمع ہوئے اور بولے کہ آؤ ہم اپنے مقتولین بدر کا انتقام اون لوگوں سے لیں جو حبشہ میں جا ٹھہرے ہیں۔ سو چندہ کر کر

من عنده من قومكم ولينتدب لذلك
رجلان من ذوی رایکم فبعثوا عمرو بن العاص
وعمارة بن الولید او عمارة بن ابی معیط مع
الهدایا الادم وغیره فرکبا البحر واتیا الحبشة
فلما دخلا علی النجاشی سجدا له وسلما علیه
وقالا له ان قومنا لك ناصحون شاکرون و
لصلاحك محبون وانهم بعثونا الیك لنحذرك
هؤلاء الذین قدموا علیك لانهم قوم رجل
کذاب خرج فینا یزعم انه رسول الله صلی الله
علیه وسلم ولم یتابعه احد منا الا السفهاء وانا
کنا قد ضیقنا علیهم الامر والجأناهم الی شعب
بارضنا لا یدخل علیهم احد ولا یخرج منهم
قد قتلهم الجوع والعطش فلما اشتد علیهم
الامر بعث الیك ابن عمه لیفسد علیك دینك
وملكك ورعیتك فاحذرهم وادفعهم
الینا نکفیکهم (معالم ص ۱۶۴ و ۱۶۵)

حبشہ کے بادشاہ کے لئے تحفے لے چلو شاید
وہ بادشاہ ان لوگوں کو تمہارے حوالے
کردے۔ اس امر کے لئے دو آدمی منتخب
ہوں۔ اور وہ جانا منظور کریں۔ پھر انہوں نے
عمرو بن عاص اور ایک اور شخص (عمارہ نام)
کو حبشہ میں تحفے دیکر روانہ کیا۔ وہ وہاں پہنچے
تو انہوں نے بادشاہ کو سجدہ کیا اور کہا کہ ہماری
قوم قریش آپ کے خیر خواہ ہے۔ اُسنے ہم کو
اس غرض سے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ کہ
آپ کو اُن لوگوں سے ڈراوے اور بچاوی
جو آپ کے پاس آرہے ہیں۔ اور وہ جو ایک
(عیاذاً باللہ نقل کفر کفر نباشد) جھوٹے آدمی
کے پیرو ہیں۔ جو نبوت کا دعوے کرتا ہے
اور بجز احمق اور رکینہ لوگوں کے انکا کوئی
پیرو نہیں ہوا۔ ہم نے انکو تنگ کیا۔ اور
ایک پہاڑ کے گوشے کی طرف دھکیل دیا تھا
جسمیں اُن کے پاس کوئی آتا جاتا نہ تھا۔ اور وہ بھوکھ پیاس سے مرنے لگ گئے تھے۔ اس
سختی میں وہ پڑے تو اُس شخص نے اپنے چچازاد بھائی کو آپ کیطرف اس غرض سے بھیجا ہے
کہ وہ آپ کا دین بھی خراب کردے۔ اس سے آپ بچ جائیں اور انکو ہمارے حوالے کردیں۔
اسکے بعد تفسیر معالم میں شاہ حبشہ کا حضرت جعفر کو اپنی مجلس میں بلانا۔ اور عمرو بن عاص کی اوس
بکواس کا اُنسے جواب طلب کرنا۔ اور حضرت جعفر کا اسکو دنداں شکن جواب دینا۔ اور بادشاہ کا اُس

جواب سے خوش ہونا۔ اور حضرت جعفر کو بامن رہنے کی اجازت و بشارت دینا۔ اور عمرو بن عاص کو شرمندہ کرنا۔ اور اُسکے تحفے کو رشوت قرار دیکر نا کامی کے ساتھ واپس کرنا بیان کیا ہے جسکی تفصیل موجب تطویل ہے۔

اور زاد المعاد میں ہے۔ جب مشرکوں کی ایذا رسانی مسلمانوں کے حق میں سخت ہوگئی اور بعض مسلمان مارے خوف کے لات وعزےٰ کو معبود کہنے لگ گئے۔ اور خدا کے دشمن ابوجہل نے عمار بن یاس کی والدہ محترمہ کے اندام نہانی میں زخم کر کے اُنکو قتل کر ڈالا اور حضرت صدیق اکبر بلال و عامرہ وغیرہ مسلمان غلاموں کی اُنکے کافر مالکوں سے سخت تکلیف پانے کیوجہ سے اُنکے مالکوں سے خرید کر آزاد کرتے تو اُنکے والد ابو قحافہ اُنکو منع کرتے۔ تو اس شدت کی حالت میں خدا تعالےٰ نے پہلے ہجرت کی جو حبشہ کیطرف ہوئی اجازت دی پھر اسکو اسی تفصیل سے بیان کیا جو معالم التنزیل سے منقول ہوئی ہے۔

ولما اشتد اذى المشركين على من اسلم وفتن منهم من فتن حتى يقولوا لاحدهم اللات و العزى الهك من دون الله فيقول نعم حتى ان الجعل ليمر فيقولون وهذا الهك من دون الله فيقول نعم ومر عدو الله ابو جهل بسمية ام عمار بن ياسر وهي تعذب و زوجها وابنها فطعنها بحربة في فرجها حتى قتلها وكان الصديق اذا مر باحد من العبيد يعذب اشتراه منهم واعتقه منهم بلال و عامر بن فهيرة وام عبيس وزنيرة والنهدية وابنتها وجارية ابن عدي كان عمر يعذبها على الاسلام قبل اسلامه وقال له ابوه يا بني اراك تعتق رقابا فلو اعتقت قوما جلدا يمنعونك فقال له ابو بكر اني اريد ما اريد فلما اشتد البلاء اذن الله سبحانه لهم بالهجرة الاولى الى ارض الحبشة زاد المعاد ۲۹۶

یہ مہاجرین حبشہ میں تقریباً چودہ پندرہ سال رہے۔ باوجودیکہ انکی ہجرت کے آٹھویں یا نویں سال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ چھوڑ کر مدینہ میں پہنچ گئے تھے۔ اور بدر و احد کے لڑائیوں میں کفار قریش کو شکست دیکر مدینہ طیبہ کو اسلامی دار السلطنت بنا چکے تھے۔ اور ملک

حبشہ اسیطرح عیسائی بادشاہ کا ملک اور اسی کے مذہب و آئین و قوانین سلطنت کے اجرار کا محل رہا یہانتک کہ مہاجرین حبشہ کے ہجرت کے چودھویں یا پندرہویں سال اور آنحضرت کی ہجرت مدینہ کی چھٹے سال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے بادشاہ کو دعوت اسلام کی اور اُسنے وہ دعوت قبول کرکے مشرف باسلام ہونے کی عزت حاصل کی۔ نجاشی کے مسلمان ہوجانے اور ملک حبشہ کی ایک اسلامی سلطنت ہوجانے کے بعد مہاجرین حبشہ نے دوسری ہجرت مدینہ کی طرف (جو ایک دارالاسلام سے دوسرے دارالاسلام کی طرف محض شرف حضوری و فیض صحبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غرض سے تھی۔) واقعہ ہوئے۔ اسلام نجاشی سے پہلے وہ لوگ عیسائی سلطنت ہی میں رہے۔ اور اُسکو دارالاسلام اور دارالحرب ہونے میں وہ اسلامی سلطنت مدینہ کے حکم میں سمجھتے رہے۔ اور اُنکے اس قرارداد اور فعل کے خدا و رسول خدا بھی مصدق و مصوب رہے۔

ان واقعات مابعد کے شواہد و تاریخات کتب حدیث و سیر میں منقول ہیں۔ اسمقام پر انکا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے۔

معالم التنزیل کی عبارت میں ابھی گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں پہنچکر بدر کی لڑائی سے کفار قریش کو مغلوب و تہ تیغ کرچکے تھے۔ کہ مہاجرین حبشہ ہنوز اسی ملک حبشہ میں تھے کہ اُنسے انتقام لینے کو وکیل کفار قریش حبشہ میں پہنچے تھے۔

اور صحیح بخاری وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ حبشہ کے مہاجرین مدینہ منورہ میں

عن ابی موسی قال بلغنا مخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونحن بالیمن فرکبنا سفینۃ فالقتنا سفینتنا الی النجاشی بالحبشۃ فوافقنا جعفر بن ابیطالب فاقمنا معہ حتی قدمنا فوافقنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین افتتح خیبر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکم انتم یا اھل السفینۃ ھجرتان (صحیح بخاری ص ۵۴۷)

لما رجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الحدیبیۃ اقام شھرا وبعض شھر ای ذی الحجۃ ختام سنۃ ست واقام عن المحرم افتتاح سنۃ سبع ایاما قیل عشرین

فتح خیبر کے سال پہنچی تھی۔ اور طبی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ فتح خیبر ہجرت نبوی کے ساتویں

ایاما او قریبا من ذلک ثم خرج الی خیبر وھذا ماذھب الیہ الجمھور انتھی کلام الحلبی۔ (حاشیہ صحیح بخاری صـ ۶۰۳)

وکتب لہ صلی اللہ علیہ وسلم کتابا یدعوہ فیہ الی الاسلام مع عمرو بن امیہ سنۃ ست من الھجرۃ واسلم علی ید جعفر بن ابیطالب (قسطلانی شرح بخاری صـ ۲۲۳ جلد ۶۔)

سال (یعنے ہجرت مہاجرین حبشہ کے پندرہویں سال) ہوئی تھی۔

اور قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں کہا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کو ہجرت نبوی کے چھٹے سال (یعنے ہجرت مہاجرین حبشہ کے چودہویں سال) نجاشی بادشاہ حبشہ کو اسلام کی دعوت کی۔ اور اُسنے حضرت جعفر کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی۔

مدینہ منورہ کی اسلامی دارالسلطنت ہوجانے کے بعد مہاجرین حبشہ کا عیسائی سلطنت حبشہ میں (اسکو دارالہجرت و دارالاسلام سمجھ کر ایک عرصہ تک) ٹھہرے رہنا صاف یقین دلاتا ہے کہ کسی ملک کے دارالاسلام اور دارالہجرت ہونے کے لئے اسکا اسلامی سلطنت اور زیر حکومت اسلام ہونا۔ اور اُسکے فرمانروا کا بادشاہ اسلام ہونا ضروری اور لازمی نہیں ہے۔ بلکہ دارالاسلام اور دارالہجرت ہونے کسی ملک کے لئے یہ امر کافی ہے کہ اس ملک کا فرمانروا اس ملک میں مسلمانوں کو ادائے شعائر مذہبی (نماز روزہ وغیرہ) سے مانع نہ ہو۔ اور اس ملک کے مسلمانوں کو امن و آزادی مذہبی حاصل ہو۔ گو بادشاہ کا اپنا مذہب غیر اسلام ہی کیوں نہ ہو۔ اور اُسکی سلطنت کے نسق و نظم میں اسی کے اصول مذہب یا آئین سلطنت پر عمل درآمد ہوتا ہو۔

اسی نظر سے اکابر صحابہ حضرت ابن عمر و عائشہ صدیقہ نے فتح مکہ کے بعد جبکہ ہر جگہ امن قایم ہوگیا تھا ہجرت کو غیر ضروری کہا اور صاف فرما دیا تھا کہ ہجرت کا حکم اسوقت تھا جب کہ مسلمان اپنے دین کو بھگائے لئے پھرتے تھے۔ اس خوف سے

ان عبد اللہ بن عمر کان یقول لا ھجرۃ بعد الفتح وحدثنی الاوزاعی عن عطاء بن ابی رباح قال زرت عائشۃ مع عبید بن عمیر اللیثی فسالنا ھا عن الھجرۃ فقالت لا ھجرۃ الیوم

کان المؤمنون یفر احدھم بدینہ الی اللہ
والی رسولہ مخافۃ ان یفتن علیہ فاما الیوم
فقد اظہر اللہ الاسلام والیوم یعبد ربہ
حیث شاء (بخاری ص۵۵۱)" قال القسطلانی
فی شرح البخاری فقد اظہر اللہ الاسلام
وفشت الشرائع والاحکام۔ یعبد ربہ
حیث شاء فالحکم یدور مع علتہ قال
الماوردی اذا قدر علی اظہار الدین فی
بلد من بلاد الکفر فقد صارت البلد بہ
دار الاسلام فالاقامۃ فیہا افضل من الرحلۃ
لما یترجی من دخول غیرہ فی الاسلام" (قسطلانی جلد ۶ ص۲۳۳)

کہ وہ دین کے سبب فتنہ میں مبتلا ہوں گے
آج اسلام کو خدا نے غلبہ دیا ہے۔ دیکھئے
کوئی کسی مسلمان کو اسلام کے سبب تکلیف
نہیں پہنچاتا۔) آج مومن جہاں چاہے خدا
کی عبادت کرے۔ **قسطلانی** نے شرح
بخاری میں اس حدیث کے ذیل میں کہا ہے
کہ امام ماوردی نے فرمایا ہے جب مسلمان کو
کفار کے شہر میں اظہار دین پر قدرت ہو تو
وہ شہر دار الاسلام ہو جاتا ہے۔ اسمیں رہنا
اور بلاد اسلامیہ) کیطرف ہجرت کرنے سے
افضل ہے۔ کیونکہ وہاں رہنے میں اور
لوگوں کا اسلام میں داخل ہونا متوقع ہوتا ہے۔

ان آثار واقوال کے مصدق اقوال آئمہ فقہا مذہب حنفی بعد اختتام دلائل مقدمہ ثانیہ بیان ہونگے انشاء اللہ تعالےٰ۔

دلائل قسم دوم مقدمہ دوم

صحیح بخاری میں انس سے روائیت ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

فعن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا
غزی بنا قوما لم یکن یغیر بنا حتی یصبح و
ینظر فان سمع اذانا کف عنہم (الحدیث رواہ
البخاری ص۸۶) وعن عصام المزنی قال بعثنا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سریۃ فقال

لڑائی کو نکلتے تو صبح تک انتظار کرتے۔ پس
اگر اذان کی آواز سنتے تو قتل سے رک جاتے
اور عصام مزنی سے روائیت ہے کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو ایک لڑائی میں
بھیجا تو اُن کو بھی یہی ارشاد کر دیا کہ جہاں تم

اذا رایتم مسجدا او سمعتم مؤذنا فلا تقتلوا احدا (رواہ ابوداؤد ص۳۵۳ والترمذی ص۲)	کوئی مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو وہاں کسی کو نہ مارو۔

اس حدیث کی شرح میں نیل الاوطار میں ہے۔ آپ کے اس ارشاد میں کہ مسجد دیکھو تو کسی کو نہ مارو یہ پایا جاتا ہے کہ کسی شہر میں صرف مسجد کا پایا جانا اس امر کے ثبوت کیلئے کافی ہے۔ کہ وہ شہر مسلمانوں کا ہے۔ یا وہ دار الاسلام ہے۔ گو اسمیں اذان کی آواز سُنی نہ جائے کیونکہ اسحدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لشکر کو دو نوامر سے ایک امر (اذان سننے یا مسجد دیکھنے پر) قتل سے رُک جانے کا حکم دیا ہے۔

قولہ اذا رایتم مسجدا فیہ دلیل علی ان مجرد وجود المسجد فی البلد کاف فی الاستدلال بہ علی اسلام اھلہ وان لم یسمع منہم الاذان لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یامر سرایاہ بالاکتفاء باحد الامرین اما وجود مسجد او سماع الاذان (نیل الاوطار ص۱۴۶ جلد ۷۔)	

دلیل قسم سوم مقدمہ دوم کی تفصیل

جن لوگوں نے ہندوستان کو دار الحرب کہا ہے اُنہوں نے یہ فتوے نہیں دیا۔ کہ ہندوستان سے ہجرت کرنا مسلمانوں پر فرض ہے جو ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا لازمہ تھا۔ اور انکا عمل اس فتوے کے اسکے برخلاف رہا۔ وہ اسی دار الحرب میں رہے۔ اور یہاں ہی فوت ہوئے۔ اور جو اب زندہ ہیں وہ اسی دار الحرب میں دندناتے ہیں۔ اور امید نہیں کہ اُنکے دل میں اس ملک سے ہجرت کی فرضیت کا خیال بھی گذرتا ہو۔ گذرتا تو کبھی اُنکی تحریر یا تقریر میں آتا اور از انجملہ بعض حضرات سے (جن سے یہ فتوے منقول ہے) اس فتوے کا خلاف وقوع میں آیا ہے۔ یعنے اُنہوں نے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں پہنچکر پھر اسی ہندوستان کو اپنا وطن بنایا۔ اور اسی دار الحرب میں پیک اجل کو لبیک کہا۔ لہذا ان کا فتوی اُنکے فعل سے ساقط الاعتبار ہوا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔ کہ جن لوگوں سے ہندوستان کو دارالحرب کہنا منقول ہے یا اب سُنا یا دیکھا جاتا ہے۔ وہ ہمارے علم میں چار صاحب ہیں اوّل شیخ مشائخنا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی۔ جنسے اس مضمون کا فتوائے فتاوائے عزیزیہ میں منقول ہے۔ دوسرے مولوی عبدالحیّ صاحب مرحوم جنکے مجموعہ فتاوے میں اس قسم کا فتوائے مطبوع ہے۔ تیسرے نواب صدیق حسن صاحب مرحوم رئیس بھوپال جنکے رسالہ حل سوالات مشکلہ میں (جو انکے رسالہ ناسخ ومنسوخ کے ساتھ ملحق وشامل ہے۔) اس مضمون کا ایک سوال وجواب ہے۔ کہ آیا قلمرو نصاریٰ یعنے ہندوستان سے ہجرت فرض ہے یا واجب یا مستحب چوتھے مولوی محمد حسن صاحب مدرس اوّل اسلامیہ سکول راولپنڈی میں۔ اصل متوطن بہین ضلع جہلم۔ ازانجملہ پہلے تین صاحب تو اسی ہندوستان میں رہے۔ اور مدفون ہوئے۔ پہلے صاحب سے انکی زندگی میں یہ سوال ہوا کہ اگر ہندوستان دارالحرب ہے تو آپ اس سے ہجرت کیوں نہیں کرتے۔ اسکا جواب انکی طرف یہ دیا گیا ہے (چنانچہ نواب صاحب کے رسالہ مذکورہ میں ہے) کہ ہجرت کیلئے استطاعت شرط ہے۔ اور ہم میں استطاعت نہیں دوسرا جواب یہ کہ ہجرت علے الفور واجب نہیں ہے۔ لہذا ہمنے ابتک ہجرت نہیں کی تو کیا ہوا آئندہ کرینگے۔ اس جواب کو انکے اس عمل نے کہ وہ اس ملک میں فوت ہوئے رد کیا۔ اور عدم استطاعت کا عذر بھی غلط معلوم ہوتا ہے۔ شاہ صاحب اہل اسلام کے مسلّم مقتدا تھے اور اہل اسلام کی پبلک میں وہ وقعت ووجاہت رکھتے تھے کہ اگر وہ چاہتے تو اپنے متعلقین وعیال کے علاوہ سو دو سو اور اشخاص کو اپنے ساتھ لیجاتے۔ جیسا کہ اُنکے شاگرد وخلیفہ اور نواسہ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب مرحوم نے جب اس ملک سے مکہ معظمہ کی طرف ہجرت کی (اسکو مستحب اور اولےٰ سمجھ کر نہ فرض جانکر چنانچہ حضرت شیخنا وشیخ الکل جناب مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی منع اللہ المسلمین بطول حیوتہ بیان فرماتے ہیں) تو انکو اس ہجرت کا آسانی سے سامان پہنچ گیا۔ پھر کیا بڑے شاہ صاحب ہجرت کرنا چاہتے

تو اسکا سامان نہ پاتے۔ بے شک پاتے اور ضرور پاتے۔ اور عمدہ پاتے۔ اس جواب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب کسی کا از خود بنایا ہوا ڈھکوسلہ ہے۔ نہ شاہ صاحب نے ہندوستان سے ہجرت کرنے کو فرض کہا۔ اور نہ ترک ہجرت پر یہ عذر کیا۔ یہ فتوے بھی جو ہندوستان کو دار الحرب کو دار الحرب قرار دینے کی بابت اُنسے منقول ہے محل اشتباہ ہے۔ چنانچہ اس فتوی جواب میں ثابت کیا جائیگا۔

اور **دوسرے تیسرے** صاحب حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہو چکے۔ چنانچہ اپنی اپنی تصانیف میں اپنے حالات کے بیان میں وہ خود فرما گئے ہیں۔ اور پھر وہ اسی ہندوستان میں آکر رہے۔ اور اسی جگہ فوت ہوئے انکی طرف سے یہ جواب کون دیسکتا ہے اُنکو استطاعت نہ تھی۔ اور جبکہ اونہوں نے حرمین میں رہ کر پھر ہندوستان ہی میں اپنا مرنا پسند کیا تو انکی نسبت کون یقین کر سکتا ہے کہ وہ ہندوستان کو دل سے دار الحرب سمجھتے اور اس سے ہجرت کرنی۔ فرض و واجب جانتے۔ گو اُنکی تحریریں کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ آخیر سے مولوی عبد الحی صاحب کا تو ایک فتوے بھی اُنکے مجموعہ فتاوے میں موجود ہے جسکو ہم اپنے شواہد میں نقل کرینگے۔ اسمیں صاف پایا جاتا ہے کہ اُنکے نزدیک ہندوستان دار الحرب نہیں ہے وہ فتوے بھی انکے اس فتوے کو جسمیں ہندوستان کو دار الحرب ہونے کا حکم ہے بے اعتبار کرتا ہے۔

اب رہے چوتھے صاحب سو انکے خیال اور حال سے گو ہم پورے طور سے واقف نہیں صرف انکی صورت کو دو دفعہ لاہور کے جلسہ سالانہ انجمن نعمانیہ کے موقعوں پر دیکھا ہے اور جلسہ سرسری مذاکرہ کے وقت انکی گفتگو ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی بابت سُنا تھا اس جلسہ مذاکرہ میں بھی اونہوں نے گو ہندوستان کو دار الحرب کہا مگر اس سے ہجرت کرنے کو فرض نہیں بنایا۔ اور اُنکے ظاہری حالات و مقالات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسملک سے ہجرت کرنے کو واجب نہیں جانتے[ل] پس اگر ہمارا یہ خیال درست ہے تو یہ دلیل اُنپر

ل سراج الاخبار جہلم مطبوعہ ۳ ستمبر ۱۹۰۵ء میں ایک مضمون مولوی ابو الحسن محمد شریف صاحب کا چھپا تھا جسمیں مدرس صاحب کو ترک ہجرت کا الزام دیا گیا ہو اُسکے جواب میں مدرس صاحب ملنے وجوب ہجرت کا اقرار کیا ہے۔ تو اسکا پتہ دیں ورنہ ہمارا خیال آپ مان لیں۔

پوری حجت الزامی ہے۔ اور اگر وہ اسملک سے ہجرت کو واجب و فرض سمجھتے ہیں تو پھر وہ بذریعہ اسی اخبار چودہویں صدی کے جسمین اپنی رائے ظاہر کرا چکے ہیں اسکا اظہار کریں۔ پھر اس فرض کو ادا کرنے سے توقف کی وجہ بیان کریں۔ اور ہمسے اسکا جواب لیں۔ اگر آپ نے بھی وہی دو جواب دیئے اور وہی دو عذر کئے جو شاہ عبد العزیز صاحب کی طرف سے بنائے گئے ہیں تو انکا جواب ہم پیشگی دیدیتے ہیں۔ کہ اگر آپ کو مالی استطاعت نہین تو ہم آپ سے وعدہ کرتے ہین کہ آپ کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ کو فروخت کرکے آپ کے لئے زاد راہ کا بندوبست کر دینگے۔ اور اگر کچھ کمی رہ گئی تو اُسکے واسطے دیندار مسلمانوں سے چندہ کرا دینگے۔ بس آپ بسم اللہ پڑھین اور سفر ہجرت کی تیاری کریں اور آج کا کام کل پر نہ ڈالیں اور اپنے اسلاف کی حالت سے جو ہندوستان کو دار الحرب کہتے کہتے اس دار الحرب میں مدفون ہوئے عبرت پکڑیں۔ اور اگر عدم استطاعت کی وجہ کوئی اور ہے۔ تو اسکو بیان کریں۔ اُسکے رفع و ازالہ کے لئے کوشش کرنے کو بھی ہم حاضر ہیں اگر ہماری اس برادرانہ نصیحت و مشورہ پر مولوی صاحب عمل نہ کیا نہ ہجرت کی فرضیت کا اقرار بذریعہ اخبار مشتہر نہ کیا اور نہ ہمارے وعدہ انتظام پر ہجرت کا ارادہ ظاہر فرمایا تو اُنکے فتوے کا اعتبار بھی جاتا رہیگا۔ اور وہ فتوے اس مثل کا مصداق ہوگا۔ "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں دکھانے کے اور"۔ ان دلائل کی تفصیل سے ہماری دلیل جسپر ہمارا اعتماد و تعویل ہے پوری ہوئی جس سے یہ ثابت ہوئی کہ ہندوستان موجودہ حالت میں دار الحرب نہیں۔ اب ہم اس دلیل کی تائید میں فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ کے اقوال و روایات کو پیش کرتے ہیں۔ تاکہ ہمارے حنفی بھائی یقین کریں اور مان لیں کہ مذہب حنفی کا فتوے بھی اسپر ہے کہ ہندوستان دار الحرب نہیں ہے۔

نقل اقوال ائمہ و فقہاء مذہب حنفی در تائید جواب سوال اول

متن تنویر الابصار[1] اور اُس کی شرح دُر مختار[2] میں ہے۔ دار الاسلام

لا تصیر دار الاسلام دار الحرب الا بامور ثلثة باجراء احکام اھل الشرک وباتصالھا بدار الحرب وبان لا یبقی فیھا مسلم او ذمی امنا بالامان الاول علی نفسه ودار الحرب تصیر دار الاسلام باجراء احکام الاسلام فیھا۔ کجمعة وعید وان بقی فیھا کافر اصلی وان لم یتصل بدار الاسلام ھو رہ (در مختار صفحہ ۲۵۷ مطبوعہ دہلی)

تین امور کے جاری ہونے سے دار الحرب بنتی ہے۔ (۱) اجراء احکام شرک سے (۲) اسکے دوسرے دار الحرب سے متصل ہو جانے سے (۳) اسمیں کسی مسلمان یا ذمی کے امان اول پر باقی نہ رہنے سے اور دار الحرب صرف احکام اسلام مثل نماز جمعہ وعیدین کے جاری ہو جانے سے دار الاسلام ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اصلی کافر مسلمانوں کے ساتھ اسمیں رہتے ہوں۔ اور اگرچہ دوسرے دار الاسلام سے اسکو اتصال نہ ہو۔ یہ مضمون در مختار میں بیان ہوا ہے۔

اور اُسکے حاشیہ رد المختار (۳) میں ہے۔ کہ احکام شرک کے اجراء سے یہ مراد ہے۔ کہ

قوله باجراء احکام الشرک ای علی الاشتھار وان لا یحکم فیھا بحکم اھل الاسلام (ھندیہ) وظاھرہ انه لو اجریت احکام المسلمین واحکام اھل الشرک لا تکون دار حرب۔ رد المختار صفحہ ۲۵۳۔ جلد ۳)

وہی احکام علی الاعلان اسمیں جاری ہوں۔ اور احکام اسلام سے کوئی ایک بھی جاری نہ ہو چنانچہ فتاوے عالمگیری میں ہے۔ ظاہراً اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اُس میں اہل اسلام اور اہل شرک دونوں احکام جاری رہینگے تو پھر وہ دار الحرب نہ ہوگی۔

ایسا ہی بعینہ طحطاوی (۴) حاشیہ در مختار میں ہے لہذا اسکی اصل عبارت نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور فتاوے (۵) عالمگیری میں کہا ہے۔ دار الحرب صرف ایک ہی شرط سے

اعلم ان دار الحرب تصیر دار الاسلام بشرط واحد وھو اظھار حکم الاسلام فیھا۔ قال محمد رح فی الزیادات انما تصیر

دار الاسلام بن جاتا ہے۔ وہ یہ کہ اس میں احکام اسلام (مثل جمعہ وعیدین کے چنانچہ در مختار میں بیان ہوا ہے) ظاہر ہوں۔ امام

دار الاسلام دار الحرب عند ابی حنیفة رح
بشرائط ثلث - احدها اجراء احکام
الکفار علی سبیل الاشتہار وان لا یحکم
فیہا بحکم الاسلام - الثانی ان تکون متصلة
بدار الحرب لا یتخلل بینہما بلد من بلاد
الاسلام - والثالث ان لا یبقی فیہا مومن
ولا ذمی بامانہ الاول الذی کان ثابتاً
قبل استیلاء الکفار للمسلم باسلامہ و
للذمی بعقد الذمة وصورة المسئلة
علی ثلثة اوجہ اما ان یغلب اہل الحرب
علی دار من دورنا اذا ارتد اہل مصر
وغلبوا واجروا احکام الکفر او نقض اہل
الذمة العہد وتغلبوا علی دارہم ففی کل
من ہذہ الصور لا تصیر دار حرب الا
بثلث شرائط - وقال ابو یوسف رح و
محمد رح بشرط واحد لا غیر وہو اظہار
احکام الکفر وہو القیاس (فتاوے
عالمگیری صفحہ ۱۴۶ جلد ۲ -)

محمد صاحب نے کتاب زیادات میں کہا ہے
کہ دار الحرب امام اعظم صاحب کے نزدیک تین
شرطوں کے اجتماع سے دار الحرب بنتی ہے
ایک یہ کہ اسمیں احکام کفر کا اشتہار ہو - اور
اسلام کے کسی حکم کا اظہار نہ ہو - دوسری شرط
ہے کہ دار الحرب سے متصل ہو جاوے -
اُسمیں کوئی اسلامی شہر حائل نہ ہو - تیسری یہ
اُسمیں کوئی مومن یا کافر پہلے امان پر باقی نہ رہے
ان شروط کے جمع ہونے کی تین صورتیں ہیں
ایک یہ کہ حربی کافر ہمارے ملک پر تسلط و غلبہ
پائیں - دوسری یہ کہ اس شہر کے مسلمان (معاذ اللہ)
مرتد ہو جائیں - تیسری یہ کہ ہمارے زیر حکومت
امان میں رہنے والے کافر عہد توڑ کر اپنے ملک
پر مستقل حاکم ہو جائیں - ان سب صورتوں میں
ان تین شرطوں سے دار الاسلام دار الحرب
ہو جائے گی - صاحبین کا قول ہے کہ صرف
ایک اس شرط سے کہ اُسمیں احکام کفر کا اظہار
ہو یعنی کسی حکم اسلام کا (جیسے جمعہ عیدین -)
اظہار نہ ہو چنانچہ پہلے بالتصریح اسکی شرح ہو چکی ہے -

ایسا ہی برجندی(۶) کی شرح نقایہ میں اور فتاوے(۷) قاضیخان میں ہے - انکی اصل
عبارت نقل کرنے کی بھی ضرورت نہیں - اور فصول عمادیہ میں ہے - ہمارے اصحاب مذہب

اختلف اصحابنا رحمهم الله ان دار الاسلام
متى تصير دار الحرب قال الامام الاعظم رح
لا تصير دار الحرب الا باجراء احكام الشرك
فيها وان تكون متصلة بدار الحرب لا يكون
بينها وبين دار الحرب مصر اخر للمسلمين
وان لا يبقى فيها مسلم او ذمي امنا بالامان
الاول معناه وان لا يبقى فيها مسلم او ذمي
امنا على نفسه هكذا ذكر في السير الكبير و
ذكر في المنشور وان لا يبقى فيها مسلم او
ذمي امنا الا بامان المشركين وعند ابي يوسف رح
ومحمد رحمهما الله اذا اجروا فيها احكام الشرك
فانها تصير دار الحرب سواء كانت متصلة
بدار الحرب اولم تكن بقي فيها مسلم او ذمي
امنا بالامان الاول اولم يبق هما ذهبا في
ذلك الى انا اجمعنا ان دار الحرب تصير
دار الاسلام باجراء احكام الاسلام فيها
وان بقي كافر اصلي ولم تكن متصلة بدار
الاسلام بان كان بينها وبين دار الاسلام
مصر اخر لاهل الحرب فكذا وجب ان
تصير دار الاسلام دار الحرب اذا اجروا
فيها احكام الشرك وان بقي فيها مسلم او

حنفی نے اسمیں اختلاف رائے ظاہر فرمایا ہے
کہ دار الحرب کسحالت میں دار الحرب بنتی ہے امام
اعظم مذہب حنفی نے فرمایا ہے کہ وہ تین شرطوں
کے اجتماع سے دار الحرب بنتی ہے۔ (۱) اجرار
احکام شرک سے (جسکے معنے عالم گیری۔
ردّ المختار و طحطاوی میں بیان ہوئے ہیں۔
کہ اسمیں صرف احکام کفر کا اشتہار ہو۔ احکام
اسلام سے (جیسے جمعہ عیدین ہیں) ایک حکم
کا بھی اسمیں اظہار نہ ہوتا ہو۔) (۲) وہ دار الحرب سے
ایسی متصل ہو جائے کہ مسلمانوں کا اور ملک یا
شہر اسکے متصل نہ رہے۔ (۳) اس میں کوئی مسلمان
یا ذمی کافر پہلے امان پر باقی نہ رہے۔ ایسا
ہی سیر کبیر (۹) میں ہے۔ اور منشور (۱۰) میں
اس شرط سوم کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ کہ
اسمیں مسلمان اور ذمی صرف مشرکین کی امان
و پناہ میں آکر رہتے نہوں۔ اور امام ابو یوسف رح
و امام محمد رح کے نزدیک صرف ایک شرط اوّل کی
تحقق سے (یعنے اجراء محض احکام کفر و عدم
اجرائے حکم واحد منجملہ احکام اسلام سے)
وہ دار الحرب بن جاتی ہے۔ دوسری شرطیں
(اتصال دار الحرب و عدم بقاء امان اوّل)

ذمی امنا بالامان الاول او کانت وسط دار الاسلام باجراء احکام الشرک فیہما اعتبار الاحد یہما بالآخر ولسان ہذہ البلدۃ صارت دار الاسلام باجراء احکام الاسلام فیہا فما بقی شئ من احکام دار الاسلام فیہا یبقی دار الاسلام علی ما عرف ان الحکم اذا ثبت بعلۃ فما بقی شئ من العلۃ یبقی الحکم ببقائہ ہکذا ذکر شیخ الاسلام ابو بکر فی شرح سیر الاصل وذکرہ فی مواضع اخر منہا ان دار الاسلام لا تصیر دار الحرب اذا بقی شئ من احکام الاسلام وان زال غلبۃ اہل الاسلام وذکر صدر الاسلام ابو الیسیر فی سیر الاصل ایضا ان دار الاسلام لا تصیر دار الحرب مالم یبطل جمیع ما بہ صارت دار الاسلام کذا ذکرہ فی باب احکام المرتدین وذکر شیخ الاسلام الاسبیجابی فی مبسوطہ ان دار الاسلام محکومۃ بکونہا دار الاسلام فیبقی ہذا الحکم ببقاء حکم واحد فیہا ولا تصیر دار الحرب الا بعد زوال القرائن کلہا ودار الحرب تصیر دار الاسلام بزوال بعض القرائن وہو ان یجری

پائی جائیں یا نہ پائی جائیں۔ صاحبین اپنے قول کی یہ دلیل بیان فرماتے ہیں۔ کہ ہم سب کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ دار الحرب صرف ایک شرط اجراء احکام اسلام سے دار الاسلام بن جاتی ہے۔ اگرچہ اُسکے ساتھ دوسری شرطیں متحقق نہ ہوں۔ (۱) یعنے مسلمانوں کے ساتھ کافر اصلی امان پر رہتے ہوں۔ (۲) اور وہ دوسرے دار الاسلام سے متصل نہ ہو بلکہ اُسکے ساتھ حربیوں کا دوسرا شہر متصل ہو اور جبکہ دار الحرب کو دار الاسلام بنانے میں صرف اسی ایک شرط کا لحاظ واجب سمجھا گیا ہے تو چاہیئے کہ ویسا ہی دار الاسلام کو دار الحرب بنانے کے لئے صرف اس ایک شرط کا لحاظ واجب ہو۔ کہ اسمیں احکام کفر وشرک کا اشتہار ہو۔ (اس معنے سے جو عالمگیری ورد المختار وطحطاوی سے ظاہر بیان ہوئے ہیں) اگرچہ دوسری دونو شرطیں (۱) اتصال دار الحرب۔ (۲) بقاء امان اوّل) اُسمیں پائی نہ جائیں۔ امام صاحب کی اپنے قول پر یہ دلیل ہے۔ کہ دار الحرب اجراء احکام اسلام کے سبب دار الاسلام بنی تھی۔ پس

فیہا احکام اھل الاسلام وذکر اللامشی فی واقعاتہ انما صارت دار الاسلام بھذا الاحکام الثلثۃ فلا تصیر دار الحرب مابقی شئ منہا وذکر السید الامام ناصر الدین فی المنشور ان دار الاسلام انما صارت دار الاسلام باجراء احکام الاسلام فما بقی علقۃ من علائق الاسلام یترجح جانب الاسلام وذکرہ فی الملتقط ان البلاد التی فی ایدی الکفار لاشک انہا بلاد الاسلام لا بلاد الحرب لانہا غیر متاخمۃ لبلاد الحرب (فصول عمادیہ)

جب تک احکام اسلام سے ایک حکم بھی اسمیں جاری رہیگا۔ وہ دار الاسلام کہلائے گی۔ اس اصول معروف کے مطابق کہ جب کوئی حکم کسی علت وسبب سے ثابت ہوتا ہے۔ تو جبتک اس علت یا سبب کا کوئی فرد باقی ہوگا وہ حکم باقی رہیگا۔ ایسا ہی شیخ الاسلام ابو بکر نے شرح سیر الاصل[۱۱] میں ذکر کیا ہے۔ اور آپنے ایک اور جگہ اس کتاب میں کہا ہے کہ دار الاسلام کبھی دار الاسلام نہ ہوگی جبتک کوئی بھی حکم احکام اسلام سے اسمیں پایا جائیگا۔ اگرچہ اہل اسلام غلبہ باقی نہ رہے صدر الاسلام ابو الیسر نے سیر[۱۲] الاصل میں کہا ہے کہ دار الاسلام کبھی دار الحرب نہ ہوگی جب تک وہ جملہ احکام جنکے سبب وہ دار الاسلام بنی تھی باطل یعنے معطل نہ ہو جائیں۔ ایسا ہی باب احکام المرتدین مین آپ نے ذکر کیا ہے۔ اور شیخ الاسلام سرخسی نے اپنی کتاب مبسوط[۱۳] میں فرمایا ہے۔ کہ دار الاسلام پر دار الاسلام ہونے ہی لگایا جائے گا۔ یہ حکم اس کی نسبت باقی رہیگا۔ جب تک ایک حکم بھی احکام اسلام میں سے اسمیں باقی رہیگا۔ وہ کبھی دار الحرب نہ ہوگی۔ بجز اسکے کہ جملہ علامات (شعائر اسلام جیسے اذان وجماعت جمعہ وغیرہ) اس سے دور نہ ہون۔ اور دار الحرب صرف بعض علامات کفر کی زائل ہونے سے دار الاسلام بن جاتی ہے۔ وہ علامت یہ ہے کہ احکام اسلام اسمیں جاری ہوں۔ اور لامشی نے اپنی کتاب واقعات[۱۴] میں کہا ہے۔ کہ دار الحرب ان تین حکموں سے دار الاسلام بن گئی تھی پس جب تک ان تین میں سے کوئی حکم بھی پایا جائیگا وہ دار الحرب نہ ہوگی۔ اور سید امام

ناصر الدین نے کتاب منشور[15] میں کہا ہے - کہ دار الاسلام اجراء احکام اسلام کے سبب دار الاسلام بنی تھی - پس جبتک ایک حکم احکام سے اسمیں باقی رہیگا اسپر دار الاسلام ہونے کا حکم لگایا جائیگا - اسلام کفر پر غالب رہیگا - (الاسلام یعلو ولا یعلی) اور کتاب ملتقط[16] میں ذکر کیا ہے کہ یہ شہر جو (انکے وقت میں) کفار کے زیر حکم اور تصرف میں ہیں - بلاشک اسلام کے شہر ہیں نہ دار الحرب کیونکہ وہ ہر طرف سے دار الحرب سے ملے جلے نہیں ہیں - ایک دلیل انکے دار الحرب ہونے کی ملتقط میں اور بیان کی ہے چونکہ وہ ہندوستان پر منطبق ہوتی تھی اسلئے ہمنے وہ نقل نہیں کی بلفظ مضمون و عبارت فصول عمادیہ پوری ہوئی - ایسا ہی بعینہ خزانۃ المفتین[17] میں کہا ہے - اور اُسمیں عبارات سیر الاصل اور شرح سیر الاصل اور منشور سے جو عبارت فصول عمادیہ میں گذری ہیں استشہاد کیا ہے لہٰذا اسکی عبارت کا نقل کرنا بھی بخوف تکرار ملتوی ہوا۔

اور فتاوٰے بزازیہ[18] میں ہے ہم بلا اختلاف حکم لگا چکے ہیں کہ یہ ملک (یعنے خوارزم جسمیں قاضی شہاب الدین مؤلف فتاوٰے بزازیہ ۸۰۶ھ میں ہوئے ہیں) تسلط کفار تاتار سے پہلے دار الاسلام تھا - اور انکے تسلط کے بعد بھی اسمیں جمعہ جماعتیں قائم تھیں - اور مقتضے شرع کے مطابق حکم اور فتوےٰ اور درس بغیر ممانعت و انکار حکم کفار کے جاری تھا ایسے ملک پر دار الحرب ہونیکا حکم لگانا کوئی راہ نہیں رکھتا نہ روایت یعنے اقوال مجتہدین کیطرف نہ درایت یعنے دلیل کتاب وسنت کی جانب -

وقد حکمنا بلا خلاف ان هذه الدیار قبل استیلاء التتار کان من بلاد الاسلام و بعد استیلائهم اعلان الجمع والجماعات والحکم بمقتضی الشرع والفتوی والتدریس شائع بلا نکیر من ملوکهم فالحکم بانها من دار الحرب لا جهة له الی الدراسة و الدرایة (فتاوٰے بزازیہ)

یہ عبارت چونکہ ہمارے مخاطب مدرس صاحب کے مدعا کی صریح مخالف تھی - اور یہ ہندوستان کو جسمیں جمعہ وجماعتیں بے روک ٹوک حکام کے ہوتی ہیں - اور صدہا واقعات میں احکام شرع مطابق قاضیان اور مفتیان اسلام کے پرائیوٹ احکام و فتوے جاری

میں بلکہ بعض معاملات نکاح طلاق وہبہ وراثت میں تو خود سلطنت نے اپنے قانون کو شرع محمدی کے تابع کیا ہوا ہے چنانچہ بضمن جواب عبارت (جامع الرموز ہمتمسکہ مخاطب اُسکی تفصیل ہوگی انشاء اللہ تعالےٰ) ڈنکہ کی چوٹ اور نقارہ کی آواز کے ساتھ دار الاسلام بناتے تھے۔ لہذا اُنہوں نے اس عبارت کا مطلب بیان کرنے میں عجب محرفانہ تصرف کیا ہے جمعے اور جماعتوں کے قائم ہونے کا یہ مطلب[1] بتایا ہے کہ حکم کفار تاتار سے جمعہ جماعتین قائم ہوتی تہیں اور مفتی شرع کے مطابق حکم ہونے کے یہ معنے بتائے ہیں کہ ہر قسم کے تنازعات میں حکم شرع پر فیصلہ ہوتا تھا۔ حتے کہ بندوبست نظم ونسق ملک بھی شریعت محمدیہ کے مطابق ہوتا تھا۔ اور اسپر بلا نقل تفصیلی کتاب آثار البلدان کا حوالہ دیا ہے۔ اس تحریف وتصرف کا مفصل جواب ہم اُسوقت دینگے جسوقت ہمارے مخاطب بنقل تفصیلی کتاب آثار البلدان یہ ثابت کردینگے کہ سلطنت تاتار ہر ایک امر متعلق سلطنت میں احکام شرع محمدی کے تابع تھی۔ اور مسلمانوں کو جمعہ وجماعتیں کے قائم کرنے کا حکم خود دیتی تھی۔ (ہمارے مخاطب یہ کہنا شاید بھول گئے کہ سلطنت تاتار خود بھی نماز جمعہ میں شریک ہوجاتی اور کلمہ بھی پڑہتی تھی۔) سردست انکا یہ مجمل جواب کافی ہے۔ کہ اس فتاوے بزازیہ میں عبارت منقولہ سابق کے متصل بیان کیا ہے۔ کہ اس

> واعلان البیع الخمور واخذ الضرائب والمکوس والحکم من النقص برسم التتار کاعلان بنی قریظة بطلب الطاغوت ومع انہا کانت بلدة اسلام بلاریب (فتاوے بزازیہ)

شہر مین شراب کی بیع علانیہ۔ اور ٹکیس اور چونگی وغیرہ امور میں تاتار کے موافق ہونا ایسا تھا جیسے اطراف مدینہ میں بنی قریظہ کا طاغوت کو چاہنا ومعہذا مدینہ دار الاسلام کہلاتا دار الحرب نہ ہوا تھا (جسکی وجہ ظاہر یہ ہے۔ کہ کسی ملک کے دار الاسلام ہونے کیلئے جملہ احکام اس ملک کا مطابق اسلام ہونا شرط نہیں۔ بلکہ صرف بعض احکام کا موافق اسلام ہونا کافی ہے۔) جیسے ابتدا میں مدینہ کا حال تھا۔

اس بیان سے صاف ثابت ہے کہ ملک خوارزم میں کُل انتظام وبندوبست ملک

[1] سراج الاخبار جہلم ۱۵ جولائے ۱۸۹۵ء میں آپنے یہ مطلب بتایا ہے۔ یہ پرچہ ۱۸۹۵ء میں ہماری نظر سے گذرا تھا۔ حال مین وہ پرچہ ایڈیٹر سراج الاخبار جہلم سے طلب کیا گیا تو انہوں نے نہ پرچہ بھیجا اور نہ جواب خط۔ وہ خط انکو ملا ہے اور اُنہوں نے عمداً اغماض کیا ہے۔ تو وہ افسوس کا محل ہین کہ وہ حنفی المذہب کہلا کر مویّد حلت سود کے حامی بنے اور اسکے خلاف کی مدد سے کنارہ کش ہوئے۔

احکام اسلام مطابق نہ تھا بلکہ سررشتہ آبکاری و ٹیکس و چونگی وغیرہ امور متعلق انتظام مُلک آئین تاتار کے مطابق تھا۔ کیا اسلام میں چونگی کا حکم ہے یا کسی پر سوائے زکوٰۃ مفروضہ ٹکس لگانا اسلامی حکم ہے۔ یا خرید و فروخت شراب کی آمدنی اور محکمہ آبکاری قائم کرنا اسلامی حکم ہیں کیا وہاں ان امور کے متعلق تنازعات واقعہ ہوتے تو وہ حکم شریعت سے انفصال پاتے اور کوئی قاضی یا مفتی (مولویصاحب جیسے) اُسکا فیصلہ شریعت سے کرتے تھے؟

نہیں نہیں ہرگز نہیں ان احکام کفریہ کے سلطنت تاتار میں پائے جانے سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ مولویصاحب کا وہ دعوے بندوبست مُلک تاتار و قطع تنازعات ہر قسم شرع کے موافق تھا۔ رجم بالغیب ہے۔ اور عقل یہی فیصلہ کرتی ہے جیسا کہ نقل فتاوے بزازیہ نے فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ اگر سلطنت تاتاری کافر تھے تو کچھ نہ کچھ احکام کفر بھی انکے ماتحت سلطنت مُلک خوارزم میں جاری ہونگے۔ جیسے کہ بعض احکام اسلام بھی جاری تھے۔ اس صورت میں وہ سلطنت ہندوستان کی مانند ہوگی جسمیں بعض احکام اسلامی جاری ہیں۔ بعض احکام غیر اسلامی۔ اور اگر انکی سلطنت میں حکم کفر کوئی بھی جاری نہ تھا نہ افیشلی نہ پرائیویٹلی نہ پبلکلی نہ پرنسلی تو پھر وہ سلطنت کافرون کی سلطنت کیوں کہلائی مسلمان کیوں قرار پائی حق یہی ہے کہ اس سلطنت کی آئین کفر تھی و بعضہ اسلمانونپر حاکم قاضی مسلمان مقرر کردیا تھا جس سے وہ خود اپنے مذہبی فیصلے کرائیں۔ خواہ جمعہ و جماعت کا کام لیں۔ اور شرح زیادات عتابی میں ہے۔ دار الاسلام تین شرطوں کے اجتماع کے سوا دار الحرب نہیں ہوتی۔ (۱) اجرا احکام کفر جسکی مفصل ص ۳۱۲ وغیرہ میں بارہا بتائی گئے ہے۔ (۲) دار الحرب سے اسکا متصل ہونا ایسے طور پر کہ مسلمانونکا کوئی شہر اس سے ملتا نہ ہو۔ (۳) مسلمانوں اور ذمیوں کا پہلی امان پر نہ رہنا۔ امام صاحب نے یہ تین شرطیں اسلئے کی ہیں کہ اس سے

دار الاسلام انما یصیر دار الحرب بثلثة شرائط احدھما اجراء احکام الکفر علی الاشتہار والثانی ان تکون متضامة بدار الحرب ای متصلة لا یتخلل بینہما بلدة من بلاد المسلمین والثالث ان لا یبق فیہا مسلما و ذمی امنا بالامان الاول مشرط

هذه الشرائط ليكون علما على تمام القهر والاستيلاء اذ دار الاسلام يحتاط لاثباتها لها وعندهما تصير دار الاسلام دار الحرب باجراء احكام الكفر فيها (شرح زیادات عتابی)	معلوم ہو کہ اس ملک پر کافروں کو پورا غلبہ ہے اسی صورت میں اسپر دار الحرب ہونے کا حکم لگایا جائے گا کیونکہ بغیر تحقق ان سب شروط کے دار الاسلام پر

دار الحرب ہونے کا حکم لگانے میں احتیاط کیجاتی ہے۔ (فان الاسلام یعلو ولا یعلی) صاحبین کے نزدیک ایک ہی شرط (اجراء احکام کفر) کی تحقق سے (جسکے معنے بارہا عالمگیری وغیرہ سے بتائے گئے ہیں) دار الحرب ہونے کا حکم لگایا جائیگا۔

(۲۰) مولوی عبد الحی صاحب مرحوم کے مجموعہ فتاوے میں ان عبارت شرح زیادات اور عبارات بزازیہ اور خزانۃ للمفتین اور طحطاوی وغیرہ کو نقل کرکے کہا ہے۔ ان عبارات سے اور اُن کی امثال سے واضح ہے کہ دار الحرب ہونے میں دار الاسلام کی شرط یہ ہے۔ کہ احکام کفر علے سبیل الاشتہار جاری ہوں۔ اور احکام اسلام بالکلیہ موقوف کردئیے جائیں۔ اور شعائر اسلام وضروریات دین کفار مداخلت کرنے لگیں اور یہ شرط اتفاقی ہے۔

(۲۱) کتاب جامع الرموز میں اسی قول وروائت کو پسند کیا گیا ہے۔ اور اسی کے مطابق آخری فیصلہ کیا ہے۔ اس کتاب سے چونکہ ہمارے مخاطب مدرس صاحب نے (غلطی سے) اسکو اپنی موئید سمجھ کر استدلال وتمسک کیا ہے۔ لہذا ہم اس کتاب کی عبارت کو ان ہی کی دستاویزات میں نقل کرکے اس سے اپنا مدعا ثابت کرینگے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اسی وجہ سے اس مقام میں اس عبارت کو نقل نہیں کیا۔ صرف اُسکا نمبر شمار اپنی مئویدات میں درج کرلیا ہے۔

(۲۲) اور طرفہ ترین شہادات حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کی اس فتوے کی شہادت ہے۔ جسکو ہمارے مخاطب اپنی دستاویز بنائے ہوئے ہیں۔ اس فتوے میں بجواب اس سوال کے "دار الاسلام دار الحرب میشود یا نہ" آپ صاف فرماتے ہیں۔ از کتب معتبرہ اکثر ہمیں

روایت اختیار کردہ اند کہ دار الاسلام دار الحرب میتواند شد بشرائط ثلثہ و در در مختار مینویسد کا تصیر دار الاسلام دار الحرب الا بامور ثلثۃ الخ - اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد جو اس میں کافی سے نقل کیا گیا ہے - اور ہندوستان میں احکام اسلام کے جاری ہونے میں گفتگو کی ہے اسکا جواب کافی وشافی بضمن جواب اس فتوے کے ادا ہوگا - انشاء اللہ تعالےٰ -

اس عبارت میں شاہ صاحب کا یہ اعتراف تو بڑی صراحت سے پایا جاتا ہے - کہ اکثر معتبر کتب مذہب حنفی میں وہی روایت اختیار کی گئی ہے جو درمختار وغیرہ میں مرقوم ہے - اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاں اسلام کے بعض احکام بھی جاری ہوں (جیسے جمعہ و جماعت) وہ دار الحرب نہیں - بالجملہ کتاب تنویر الابصار (۱) - درمختار (۲) - ردالمختار (۳) - طحطاوی (۴) فتاوے عالمگیری (۵) - برجندی (۶) - قاضیخان (۷) - فصول عمادیہ (۸) - سیر کبیر (۹) شرح سیر کبیر (۱۰) - منشور (۱۱) - مبسوط (۱۲) - واقعات لامشی (۱۳) - ملتقط (۱۴) - خزانۃ المتقین (۱۵) فتاوے بزازیہ (۱۶) - شرح زیادات عتبائی (۱۷) - فتوے مولوی عبد الحی مرحوم (۱۸) جامع الرموز (۱۹) - قنیہ (۲۰) و نقل روائت شاہ عبد العزیز مرحوم سے آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہے - کہ باتفاق حضرت امام ابو حنیفہ رح اور انکے صاحبین کے بلاد ہندوستان جنمیں شعایر اسلام جمعہ جماعات وغیرہ بلا روک ٹوک حکام وقت علے الاعلان جاری ہیں - اور بعض معاملات متعلق حکومت میں بھی احکام اسلام پر حکم ہوتا ہے - دار الحرب نہیں بلکہ دار الاسلام ہے - اور اگر (خدا نخواستہ باشد) اسمیں جملہ شعائر اسلام اٹھ جاویں - حکام وقت کسی کو نماز بھی نہ پڑھنے دیں - اذان اور جماعت سے روکیں - کسی ایک حکم اسلام پر عمل نہ کرنے دیں - (خدا وہ دن نہ لائے) تو اسصورت میں بھی امام اعظم رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ ملک پھر بھی دار الحرب نہ ہوگا - جب تک کہ دوسری شرط چاروں طرف سے اسکا دار الحرب سے مل جانا - اور کسی جانب سے کسی اسلامی سلطنت کا جس سے اسکے مسلمانوں کو مدد پہنچنے کی توقع ہو - اس سے اتصال نہونا - (خدا اس شرط کو وجود میں نہ لائے) متحقق نہ ہو - ہاں صاحبین کے نزدیک وہ دار الحرب ہو جائیگا - اسصورت میں

ہم کو صاحبین سے اتفاق اور انکی پیروی کرنی ہوگی۔ اور شرط اول کا تحقق اسکے دار الحرب ہونے کے لیئے کافی سمجھا جائیگا۔

اس شرط کی شرح اور تفسیر تو عالمگیری اور ردالمختار و طحطاوی میں یہ ہوئی ہے (جو بارہا جتائی گئی ہے) کہ جملہ احکام اسلام معاذاللہ اٹھ جائیں۔ ہمارا یہ اعتقاد و ایمان ہے (جسکو ہم بلا خوف موجودہ سلطنت ظاہر کرتے ہیں) کہ جن احکام اسلام کی تعمیل مسلمانوں کی ذات سے متعلق ہے۔ حکومت اور سیاست سے انکا تعلق نہیں ہے۔ ان احکام کے مجموعہ کا اوٹھا دینا تو بالاتر ہے۔ اگر کسی ایک حکم کو بھی سلطنت اوٹھانا چاہے اور مسلمانوں کو اسکے ادا کرنے سے منع کرے اور حکماً روک دے مثلاً نماز پڑہنے ندے یا کم سے کم سنت اذان سے منع کرے (جیساکہ سکھوں کے عہد میں ہوتا تھا) تو اسوقت ملک دار الحرب ہو جائیگا۔ اور مسلمانوں کو اس ملک سے وسعت و طاقت ہوتے ہجرت کرنا فرض عین ہوگا۔ اور ایک رات اس ملک میں بسر کرنا حرام ہوگا۔ مگر اسکے ساتھ ہی یہ کہنا ہمارا فرض ہے کہ اس زیرک اور دور اندیش سلطنت سے ہرگز ہرگز یہ خوف و اندیشہ نہیں۔ کہ مسلمانوں یا اور رعایا کے کسی مذہبی امر میں مداخلت بیجا کریں اور اپنے اشتہار قدیم کا خلاف کرکے اس ملک کے ازادی مذہبی چھینکر اسکو دار الحرب بنادے یہ سلطنت جو روز بروز ترقی کر رہی ہے یہ اسکی اس نیوٹرلٹی (غیر طرفداری مذہبی) اور آزادی کا نتیجہ ہے۔ لہذا ممکن نہیں ہے کہ آیندہ وہ اسکا خلاف کرے۔ اور اس ملک کو دار الحرب بنادے

بعض نادان مسلمانوں کا خیال ہے کہ گورنمنٹ نے حج بند کردیا ہے یہ خیال محض غلط ہے یہ روک عارضی ہے اور طاعون کیوجہ سے ہے جو بعض اسلامی سلطنتوں میں بھی ہوئی ہے۔ [ل]

جواب سوال دویم کی دلیل اور اس کے خلاف کا جواب

ہندوستان اگر بالفرض والتقدیر دار الحرب ہو تو اس صورت میں بھی اس ہندوستان میں غیر اقوام سے سود لینے کے عدم جواز کے وہ نصوص قرآن و حدیث دلیل ہیں جنمیں مطلقاً بغیر کسی قید کے سود کو حرام کیا گیا ہے۔ اس کسی جزو سود کو جو بظاہر الفاظ سود کہلائے

احل اللہ البیع وحرم الربوا (نوح۔ ع ۳۸)
ولا تاکلوا الربوا (آل عمران۔ ع ۱۴)

ل اسکی تفصیل ہم پھر کسی اور موقع پر کرینگے انشاء اللہ تعالیٰ

احادیث پہلے فتوے میں ملاحظہ ہوں صفحہ ۲۵۲ وغیرہ

اور وہ آیت الربٰو کا لغتاً وعرفاً مورد ہو سکے ۔ اس محرم سود سے مخصوص یا مستثنے کرنا ۔ اور اُسکو شرعی محرم سود نہ کہنا ایسا ہے جیسا کوئی کسی ایک بوتل شراب کو لغتاً وعرفاً شراب کہلاوے ۔ اس شراب سے جسکی حرمت قرآن میں وارد ہے ۔ مخصوص و مستثنے کرے ۔ اور یہ کہے کہ یہ وہ شراب نہیں جسکی حرمت قرآن میں وارد ہے ، اسکا ایسا کہنا نص قرآن پر زیادت ہے ۔ اور یہ نسخ یا بقول بعض علماء تخصیص کہلاتی ہے ۔ جو حنفی مذہب میں جائز نہیں ہے ۔ ایسا ہی اس سود کو جو ایک مسلمان دار الحرب میں جا کر غیر مسلم حربی سے سود کے نام سے وصول کرتا ہے ۔ اوہ وہ بھی سود ہی کے نام سے اسکو دیتا ہے ۔ اور وہ لغتاً و عرفاً سود کا مصداق ہے ۔ افراد سود سے جسکو آیت الربوا اپنے اطلاق سے شامل ہے نکالنا اور اُسکو ربوا محرم کا مصداق نہ کہنا (نسخ یا تخصیص) ہے ۔ اور نص قرآن پر زیادتی ہے ۔ جو حنفی مذہب میں جائز نہیں ۔

صاحب ہدایہ نے اس سود کے جو مسلمان حربی کافر سے لے سود نہ ہونے پر دو دلیلیں پیش کی ہیں جنکی شہادت سے اس سود کو محرم سود سے مستثنے و ممتاز کیا ہے ۔ ایک دلیل نقلی دوسری عقلی چنانچہ کہا ہے ۔ دار الحرب میں مسلمان اور حربی میں جس سود کا لین دین ہو وہ سود ہی نہیں ۔

قال ولا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب خلافاً لابی یوسف والشافعی لهما الاعتبار بالمستامن منهم فی دارنا وله قوله علیه السلام لا ربو بین المسلم والحربی فی دار هم فبای طریق اخذه المسلم اخذ مالاً مباحاً اذا لم یکن فیه غدر بخلاف المستامن منهم لان ماله محظور بعقد الامان (ہدایہ صفحہ ۴۷ جلد ۲)	یعنے وہ اس سود کے (جس کی حرمت آیۂ ربو میں وارد ہے) افراد سے مستثنے یا جداگانہ چیز ہے ۔ امام ابو یوسف امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وہی سود ہے اور اُسی کی افراد داخل و شامل ہے ۔ اُن صاحبوں کی دلیل یہ ہے ۔ کہ حربی کافر ہمارے ملک میں امن پاکر آرہے تو اُسکا مال ہمکو سود کے نام سے لینا بالاتفاق ناجائز ہے ۔ ایسا ہی دار الحرب

میں ہونا چاہیئے۔ امام صاحب کی دلیل اسکے جواز پر نقلی یہ حدیث ہے کہ مسلمان اور حربی کا دارالحرب میں جو سود کا معاملہ ہو وہ سود نہیں ہے۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ حربیوں کا مال دارالحرب میں مسلمان کے لئے مباح ہے۔ وہ جس طریق سے بشرطیکہ اسمیں غدر نہ پایا جائے اسکو لے جائز ہے۔ اور جو حربی ہمارے ملک میں امان پاکر آرہے اُسکا مال لے لینا اس کی امان کے سبب مسلمان کو ممنوع ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ حربی کے مال کی نظیر نہیں ہو سکتا۔ خاکسار کہتا ہے یہ دونو دلیلیں صاحب ہدایہ کی ضعیف ہیں۔ اور یہ اس قابل نہیں کہ وہ اس سود کو جو مسلمان حربی سے لے سود ہونے سے خارج یا مستثنے کر دیں۔

پہلی دلیل نقلی اسلئے ناقابل ہے کہ وہ حدیث مرسل ہے بسند متصل آنحضرت تک نہیں پہنچتی اسبات کا خود حنفی علماء کو (جو ہدایہ کے شارح ہیں اور اس کی حدیثوں کی تخریج کرتے ہیں یعنے پتہ لگاتے ہیں۔ اعتراف[1] ہے۔

امام زیلعی حنفی نے ہدایہ کی تخریج میں کہا ہے۔ صاحب ہدایہ نے جو حدیث بیان کی ہے

قولہ لا ربوا الخ قلت واسندہ البیہقی فی المعرفۃ فی کتاب السیر عن الشافعی قال قال ابو یوسف رح انما قال ابو حنیفہ رح ھذا لان بعض المشیخۃ حدثنا عن مکحول عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لا ربوبین اھل الحرب واظنہ واھل الاسلام۔ قال الشافعی رح ھذا	اُسکو امام بیہقی کتاب معرفت کی کتاب السیر میں امام شافعی کے واسطے لایا ہے۔ اُنہوں نے فرمایا۔ امام یوسف نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اسلئے یہ بات کہی ہے کہ بعض مشائخ نے ہم سے مکحول کی حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ اہل حرب میں سود نہیں۔ میرا یہ خیال ہے کہ یہ بھی کہا ہے کہ اور اہل اسلام میں

[1] اس حدیث میں ایک یہ خلل ہے بھی ہے۔ کہ مکحول سے اسحدیث کو روایت کرنے والے مشائخ مجہول الاسم والحال ہیں۔ اور مجہول کی روایت لایق اعتماد نہیں۔ جب تک اُس کی تعیین و توثیق نہ ہو۔

ليس بثابت ولا حجة فيه (تخریج زیلعی)

اور امام شافعی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔ اور یہ لائق سند نہیں ہے۔ ایسا ہی بعینہ **امام ابن حجر شافعی** نے درایۃ تخریج ہدایہ میں کہا۔ اور فرمایا ہے کہ مینے اس حدیث کا کہیں پتہ نہیں پایا۔ بجز اسکے کہ امام شافعی نے اسی کی نسبت وہ ذکر کیا جو زیلعی سے منقول ہوا ہے۔

شیخ ابن الہمام نے جو حنفی مذہب اور کتاب ہدایہ کے حتّےالوسع بڑے ناصر و حامی ہیں۔ **فتح القدیر** میں اس قول ہدایۂ کی شرح میں لکھتے ہیں۔ کہ امام احمد و امام مالک بھی اسی قول کے قائل ہیں۔ جسکے قائل شافعی اور امام ابو یوسف ہیں۔ (کہ دار الحرب میں حربی سے سود لینا جائز نہیں) اور فرماتے ہیں کہ ان سب اماموں کی دلیل نصوص حرمت ربو کا اطلاق یعنے بے قید ہونا ہے جنمیں یہ قید نہیں کہ سود + (جو اس آیت میں حرام ہوا ہے) وہ کسی خاص مکان (دار الاسلام) میں ہو تو حرام ہے۔ دار الحرب میں ہو تو حلال ہے۔ اور نیز اُس حربی کے (جو امان پاکر ہمارے ملک میں آرہے ہے) حکم پر قیاس انکی دلیل ہے۔ امام صاحب کی دلیل وہ حدیث ہے کہ مسلمان اور حربی میں دار الحرب میں سود نہیں جو بعض مشائخ نے مکحول سے نقل کی ہے۔ جسکی نسبت امام شافعی نے کہا ہی کہ وہ حدیث ثابت اور لائق سند نہیں ہی۔ پھر شیخ **ابن الہمام** نے اس قول امام شافعیؒ کے جواب اور مقابلہ میں فرمایا ہے کہ مبسوط میں کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ اور مکحول

قوله ولا بين المسلم والحربي في دار الحرب خلافا لابي يوسف والشافعي ومالك واحمد ×× لهم اطلاق النصوص فانها لم تقيد المنع بمكان دون مكان والقياس على المستامن منهم في دارنا فان الربو يجري بين المسلمين وبينه كذا الداخل منا اليهم بامان ولابي حنيفة ومحمد ما روي انه صلى الله عليه وسلم قال لا ربو بين المسلم والحربي في دار الحرب وهذا الحديث غريب ونقل ما روي مكحول عن النبي صلى الله عليه وسلم الخ +×× قال الشافعي وهذا الحديث ليس بثابت ولا حجة فيه اسنده عنه البيهقي قال في المبسوط هذا مرسل ومكحول ثقة والمرسل من مثله

مقبول ولان ابا بکر قبل الھجرۃ حین انزل الیہ الٓمٓ غلبت الروم الآیۃ قال لہ قریش ترون ان الروم تغلب قال نعم قال فھل لک ان تخاطرنا فخاطرھم ××× ولان مالھم مباح واطلاق النصوص فی مال محظور وانما یحرم علی المسلم اذا کان بطریق الغدر فاذا لم یاخذ غدرًا فبای طریق یاخذ کونہ حل بعد برضی ××× وھذا لایفید لمعاد اطلاق النصوص الا بعد ثبوت حجیتہ حدیث مکحول وقد یقال العلم حجیتہ فالزیادۃ بخبر الواحد لا یجوز فاثبات قید زائد علی المطلق ×× ھو الزیادۃ لا یجوز ویدفع بالقطع بان المطلق مراد بہا المال المحظور لمحق مالکہ ومال الحربی لیس بمحظور الا لتوقی الغدر (فتح القدیر صفحہ ۱۵ جلد ۳)

یہ مرسل روائت کی ہے ثقہ و معتبر ہے اور ایسے شخص ثقہ کی مرسل مقبول لائق سند ہوتی ہے - پھر اسپر ایک اعتراض نقل کیا - اور کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل و مقبول اور لائق سند ہو تو پھر بھی اس لائق نہیں کہ وہ اطلاق (بے قید حکم) قرآن کا مقابلہ کر سکے - اور اسپر زیادتی کر کے حکم حرمت بو کو اس سود سے مخصوص کر دے - جو دار الاسلام میں لیا جائے - اور اس سود کو اس حکم حرمت سے مستثنےٰ اور جدا کر دے جو دار الحرب میں کافروں سے لیا جائے - پھر اعتراض کا ایک جواب یہ بھی دیا ہے جسکا ارد و میں بیان اور اُسکا جواب ہدایہ کی دلیل عقلی کے جواب کی ذیل میں آئیگا انشاء اللہ تعالےٰ -

شیخ ابن الہمام وغیرہ نے اس مسئلہ کی تائید کے لئے اس روائت سے بھی استدلال کیا جسمیں یہ بیان ہے کہ حضرت ابو بکر نے روم فتح ہو جانے پر مشرکین مکہ سے اونٹ لینے کی شرط

واستدل بہ الحنفیۃ علی جواز العقود الفاسدۃ فی دار الحرب - واجیب بانہ کان قبل تحریم الربو (بیضاوی) کان ذلک قبل تحریم القمار (مدارک و روح البیان صفحہ ۲۸ جلد ۲) کان ذلک قبل تحریم الربو (معالم صفحہ ۶۸۷)

کی جو ایک قسم کا قمار تھا - اور وہ اسیوجہ سے جائز رکھا گیا کہ حربیوں کا مال مباح تھا اسکا جواب شافعی علما بلکہ بعض حنفیوں نے[ه] یہ دیا ہوا ہے کہ اسوقت جبکہ حضرت ابو بکر نے مشرکین سے شرط باندہی تھی قمار کی حرمت نازل نہ ہوئی تھی -

خاکسار کہتا ہے اس روائت میں یہ بھی آچکا ہے کہ آنحضرت نے حضرت صدیق کو اس مال کو جو شرط سے انہوں نے لیا تھا خیرات کر دینے کا حکم دیدیا تھا - اور اگر آپ اس طریق سے اس مال کو

ه سراج الاخبار جہلم مطبوعہ ۲ ستمبر ۱۸۹۵ء کے مضمون میں جامع ترمذی جلد ۲ کے صفحہ ۱۶۲ سے ایک حدیث اور تفسیر احمدی کے صفحہ ۲۹۶ سے اسی مضمون کی عبارت نقل کی ہے کہ یہ قصہ تحریم قمار سے پہلے کا تھا - اور فتح البیان سے نقل کیا ہے کہ بایں ہمہ آنحضرت نے اس مال کو سحت یعنے مردار کہا تھا - یہ لفظ سحت فتح البیان جلد ۷ کے صفحہ ۵۲ میں ہے -

مباح جانتے تو اُسکی خیرات کا حکم نہ دیتے۔

قطع نظر اس سے وہ روایت بھی خبر واحد ہے۔ اور وہ اس لائق نہیں کہ قرآن کے اس اطلاق (بے قید ہونے) حکم ربٰو یا حکم قمار کو (اگر آیت القمار کا نزول اس قصہ سے پہلے فرض و تسلیم کیا جائے) مقید کرے اُسپر زیادتی کرکے اس اطلاق کو منسوخ کردے۔

ہدایہ کی عقلی دلیل کا جواب

یہ مسلّم ہے کہ حربی کا مال دار الحرب میں مباح ہے۔ مگر یہ مطلقاً و بلا قید مسلّم نہیں کہ جس طریق سے مسلمان چاہے اس مال کو لے۔ بلکہ اس مال کا مباح ہونا بالاتفاق اس قید سے مقید۔ اور اس شرط سے مشروط ہے کہ وہ جائز طریق سے اسکو لے۔ ایک طریق جائز کی قید تو صاحب ہدایہ نے خود بھی اسمیں لگادی ہے چنانچہ کہا ہے کہ وہ مال اس صورت میں اور اس شرط سے مباح ہے کہ غدر سے نہ لیا جائے۔ ویسے ہی غدر کی مانند دوسرے ناجائز طریقوں سے (جنکو شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے) اُسکو نہ لینا شرط ہے۔ ازانجملہ ایک طریق ناجائز یہ ہے کہ مسلمان دار الحرب میں جاکر ذمی کے ہاتھ شراب فروخت کرے اور اس کی قیمت میں حربی کافر کا مال لے جسکو حنفی مذہب میں ناجائز قرار دیا ہے (چنانچہ پہلے فتوے میں مفصل بیان ہوا ہے) وہ قیمت شراب باوجودیکہ حربی کا مال ہے مسلمان کو لینا اسیوجہ سے ناجائز ہے کہ وہ ناجائز طریق سے لی گئی ہے ایسا ہی وہ مال کو جو ربٰو کے نام سے اور ربٰو معاملہ کے ذریعہ سے لیا گیا ہو باوجودیکہ وہ حربی کا مال ہے ناجائز ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہ ایک ناجائز عقد ربٰو کے ذریعہ سے لیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ صاحب ہدایہ کا یہ کہنا کہ حربی کا مال مباح ہے وہ جس طریق سے جو غدر سے خالی ہو لیا جائے جائز ہے صحیح نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ حربی کا مال اس طریق سے مسلمانوں کو لینا مباح ہے جس طریق کو شرع نے جائز رکھا ہے۔ اور جن طریقوں کو شرع نے ناجائز قرار دیا ہے۔

(جیسے غصب۔ چوری۔ قمار۔ ربٰو۔ اجرت زنا قیمت شراب وغیرہ ان طریقوں سے اسکا لینا جائز نہیں ہے۔ اس دلیل عقلی ہدایہ کے جواب میں ہم بہت کچھ کہہ سکتے ہیں۔ مگر بلال خاطر اخوان حنیفہ کے خوف سے ہم اور کچھ نہیں کہتے ؎

اندکے با تو بگفتیم و بدل ترسیدیم ؎ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار ست

اس دلیل عقلی صاحب ہدایہ کے جواب میں شیخ ابن الہمام کے جواب کا (جو صفحہ ۳۱۵ میں منقول ہوا) جواب بھی ادا ہوا۔ انکے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اطلاق نصوص اس مال ممنوع میں ہے جو حق مالک کی نظر سے ممنوع ہو اور حربی کافر کا مال صرف غدر سے بچنے کیلئے ممنوع ہی حق مالک کی نظر سے ممنوع نہیں۔ بلکہ مباح ہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ صرف غدر سے بچنے کیلئے مال حربی کو ممنوع کہنا خطا ہے اور حق یہ ہے کہ ہر ایک ناجائز طریق (مثلاً غدر سے[1] اسکو لینا قیمت[2] شراب میں لینا۔ اجرت[3] زنا میں لینا۔ ربٰو[4] میں لینا۔ قمار[5] سے لینا وغیرہ وغیرہ) سے بچنے کیلئے اسکو ممنوع کیا گیا ہے۔ اس مال کو لینے کے حق مالک مانع نہیں مگر حق خالق جل و علےٰ جسنے ان سب ناجائز طریقوں سے اسکے لینے کو ممنوع کیا ہے مانع ہے۔ لہذا اس کو مطلق مباح کہنا محض غلط اور تفقہ سے بعید ہے یہ مال مباح ہے تو خاص اسی صورت میں اور اس شرط اور قید سے مباح ہے کہ وہ جائز اور شرعی طریقوں سے لیا جائے۔ اور قمار۔ یا سود شرعاً ناجائز طریق ہیں۔ (جیسے زنا کرنا یا کرانا۔ یا شراب بیچنا یا خرید کرنا۔ جنکے ذریعہ سے مشرکون اور حربیوں کا مال لینا مباح نہیں ہے۔ لہذا اطلاق نصوص حرمت ربٰو و قمار اس مال کو شامل ہے۔ اور روائت قصۂ قمار (اگر اسکا وقوع نزول آیت قمار کے بعد تسلیم کیا جائے) اس اطلاق کا مبطل ہے۔ جیسے حدیث مکحول اسکی مبطل ہے۔ اگر کوئی جلد باز غیر فقیہ ہمارے اس جواب کا یہ جواب دے کہ حربی کا مال شراب یا زنا کے عوض میں اور اسکے ذریعہ سے لیا جاوے گا تو بھی وہ مال مباح ہوگا۔ گناہ ہے تو شراب یا زنا کو اس مال کے حصول کا ذریعہ بنانے میں ہے۔ اور اس ذریعہ بنانے کے فعل سے فاعل گناہگار ہوگا۔ اسکا اثر اُس مال پر نہ پڑے گا۔ اور وہ مال ممنوع نہ ہوگا۔ تو اسکے جواب میں کہا جائے کہ اگر اس فعل کا جو ذریعہ حصول مال ہو اس مال پر اثر نہیں پڑتا۔ اور باوجود ناجائز ہونے ذریعہ کے حاصل شدہ مال مباح ہے۔ تو چاہیئے

جو مال مشرکین کا غدر یا سرقہ سے لیا جاے وہ بھی مباح اور حلال ہو- اور اس غدر و سرقہ کا اثر اس مال پر نہ پڑے- حالانکہ صاحب ہدایہ اور صاحب فتح القدیر نے صاف کہدیا ہے کہ وہ مال اس شرط سے مباح ہے کہ غدر سے حاصل نہ کیا جائے جسکا قطعی مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ غدر سے لیا جائیگا تو مال مباح نہ ہوگا جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس فعل کا جو ذریعہ حصول مال ہو اثر مال پر ضرور پڑتا ہے- اور جو فعل ناجائز ہو اسکا اثر و عوض مال بھی ناجائز ہوتا ہے- اور یہی حکم ان نصوص کا ہے

مہر البغی خبیث (مسلم) لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم اکل ثمنہا (ای الخمر) (ترمذی) اما المال فلست منہ فی شئ (صحیح بخاری) فانہ مال غدر (ابو داؤد)

جنمیں اجرت زنا کو اور قیمت شراب وغیرہ کو خبیث کہا ہے- جیسا کہ مغیرہ بن شعبہ کے اس مال کو جو غدر سے اُسنے حاصل کیا- آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بُرا کہا- اور اُسکو نہ لیا- ٭-٭

بالجملہ فعل اور ذریعہ کو جس سے مال حاصل ہو ناجائز اور گناہ کہنا اور اسکے اثر و نتیجہ مال کو مباح کہنا ایک ڈبل اور فاش غلطی ہے جسکے غلط ہونے پر نصوص شرعی اور غلطی کرنے والوں کے اپنے اقوال بالاتفاق شاہد ہیں- ہدایہ کی عقلی دلیل کا جواب ادا ہوا- جیسا کہ پہلے اسکے نقلی دلیل حدیث مکحول کا جواب ادا ہو چکا ہے- اور ان جوابات سے ثابت ہوا کہ اس مسئلہ میں صاحبین کا قول جنکے ساتھ باقی تینوں امام مذاہب اربعہ (امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ) متفق ہیں- اطلاق قرآن سے مؤید ہے- اور درایۃً قوی ہے- اور اُسکا مقابل قول کسی ایسی قوی دلیل نقلی یا عقلی پر جو اس اطلاق قرآن کا مقابلہ کر سکے مبنی نہیں ہے- لہذا بنا بر اس اصول **الحاوی القدسی** کے کہ بوقت اختلاف امام و صاحبین قوت مدرک کو دیکھا جائیگا- اور جو قول دلیل سے قوی ہوگا اسپر فتوے دیا جائیگا- اور اس اصول کو ہمارے مخاطب نے بھی مانا ہوا ہے- (چنانچہ عنقریب اُسسے منقول ہوگا-) لائق فتوے مذہب حنفی صاحبین ہی کا قول ہے- اور یہی حنفی مذہب قرار پائے گا-

قطع نظر اس تسلیم و تمہید مدرس صاحب کے حنفی مذہب میں تسلیم کیا گیا ہے کہ معاملات میں کہ از انجملہ یہ مسئلہ سود حربی ہے۔ امام ابو یوسف کے قول پر فتوی دیا جاتا ہے۔ اور وہی مذہب حنفی کہلاتا ہے۔

خزانۃ المفتین میں ہے کہ اگر امر متعلق فتوی معاملات سے ہو تو فتوے امام ابو یوسف کے قول پر دیا جائیگا۔ کیونکہ وہ قاضی رہ چکے ہیں۔ اور اشباہ النظائر کے باب القضا میں ہے کہ امور متعلقہ قضا میں قول ابو یوسف پر فتوے دیا جاتا ہے۔ ایسا ہی قنیہ اور بزازیہ میں ہے۔

وان کانت من المعاملات یفتی علی قول ابی یوسف لانہ کان قاضیا۔ وفی قضاء الاشباہ والنظائر الفتوی علی قول ابی یوسف فیما یتعلق بالقضاء کما فی القنیہ و البزازیہ۔ (خزانۃ المفتین)

اور امام عبد الوہاب شعرانی نے میزان کبرے جلد اول کے صفحہ ۴۴ میں کہا ہے۔ کہ شیخ کمال الدین ابن ہمام نے امام صاحب کے شاگردوں امام ابو یوسفؒ و امام زفر حسن ابن زیاد سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں ہمنے کسی مسئلہ میں کوئی قول کبھی نہیں کہا بجز اسکے۔ کہ وہی قول ہمنے امام ابو حنیفہؒ سے روائت کیا ہو۔ اور اس قول پر انہوں نے قسمیں سخت کھائیں تو اب فقہ میں کوئی قول یا مذہب ایسا نہ ہو گا جو امام اعظم کا نہ ہوگا۔ خواہ وہ کسی کی (امام ابو یوسفؒ یا امام محمدؒ کی) طرف منسوب ہو۔ غیر کی طرف اس قول کا منسوب ہونا بطریق مجاز ہے۔

ونقل الشیخ کمال الدین ابن الھمام عن اصحاب ابی حنیفۃ کابی یوسف ومحمدؒ وزفر والحسن انھم کانوا یقولون ما قلنا فی مسئلۃ قولا الا وھو روایتنا عن ابی حنیفۃ واقسموا علی ذلک ایمانا مغلظۃ فلم یتحقق اذن فی الفقہ بحمد اللہ تعالی جواب و لا مذھب الا لہ رضی اللہ عنہ کیفما کان وما نسب الی غیرہ فھو من مذھب ابی حنیفۃ وان نسب الی غیرہ فھو بطریق المجاز للموافقۃ فھو کقول القائل قولی کقولہ ومذھبی کمذھبہ فعلم ان من اخذ بقول واحد من اصحاب ابی حنیفۃ فھو اخذ بقول ابی حنیفۃ

رضی اللہ عنہ انتہی (میزان کبریٰ صـ۲۲ جلد ۱) بوجہ موافقت جیسے کوئی کہے کہ میرا قول اسکا قول ہے۔ اور میرا مذہب اُسکا مذہب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص امام ابوحنیفہ کے کسی شاگرد کے قول پر عمل کرے گا وہ درحقیقت امام ابوحنیفہ کے قول پر عمل کرنے والا ہوگا۔

اس قرارداد ائمہ حنفیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مسئلہ سود میں امام ابو یوسف کا قول دلیل کی نظر سے قوی نہ ہوتا تو بھی اسپر عمل کرنا۔ اور اسکی موافق فتوےٰ دینا بعینہ امام ابوحنیفہ کے قول ومذہب پر فتوے ہوتا۔

ہمارے دونو سوالوں کے جوابات ادلہ شرعیہ اور روایات فقہیہ اور اقوال فقہا اور دلائل عقلیہ سے مدلل ہوئے۔ اب ہم ناظرین کو یہہ دکھاتے ہیں کہ ہمارے مخاطب محمد حسن صاحب مدرس ان سوالات کے جواب میں کیا فرماتے اور اسکے کیا دلائل پیش کرتے ہیں۔

پس واضح ہو کہ سوال دوم کے جواب میں تو مولوی محمد حسن صاحب مدرس نے کسی روئت یا قول فقہی کو پیش نہ کیا۔ اور نہ اسباب میں شرعی دلائل کیطرف رجوع کیا۔ صرف سرسری طور پر یہ ذکر کیا کہ ہدایہ میں یہ مسئلہ بیان ہوا ہے کہ دار الحرب میں حربیوں سے سود لینے کو جائز لکھا ہے۔

ہاں پہلے سوال کے جواب میں کہا کہ ہندوستان دار الحرب ہے۔ اور اسکی دلائل و مستندات پیش کرنی سے پہلے چند اصول کی تمہید کی از انجملہ ایک اصول یہ تھا کہ مختلف متضاد روایات و اقوال فقہیہ میں سے اس روائت اور قول کو ترجیح دیجائے گی جس کی مؤید درائت ہوگی۔ یعنے کتاب وسنت اُسکے صدق پر شاہد ہوگی۔ اس تمہید کے بعد آپنے اس جواب کی تائید وثبوت میں دو کتابوں کی عبارات پیش کیں اول عبارت جامع الرموز کی

ودار الاسلام ما یجری فیہ احکام امام المسلمین ودار الحرب ما یجری فیہ امر رئیس الکافرین کذا فی الکافی وذکر الزاہدی انہا ما غلب فیہ من المسلمین وکانوا فیہ

جسکا ترجمہ یہ ہے کہ دار الاسلام وہ ملک یا بلاد ہیں جنمیں مسلمانوں کے خلیفہ کے احکام جاری ہوں۔ اور دار الحرب وہ بلاد ہیں جنمیں کافروں کے بادشاہ کے احکام جاری ہوں۔ الیاہی

امنین - ودار الحرب ما خافوا فیہ من
الکافرین ولا خلاف ان دار الحرب تصیر
دار الاسلام باجراء بعض احکام الاسلام
فیہا - واما صیرورتہا دار الحرب (نعوذ
باللہ) فعندہ بشروط احدہا اجراء احکام
الکفر اشتہارا بان یحکم الحاکم بحکمہم
ولا یرجعون الی قضاۃ المسلمین کما فی الحیرۃ
والثانی الاتصال بدار الحرب بحیث لا
یکون بینہما بلدۃ من بلاد الاسلام
یلحقہم المدد منہا - والثالث زوال
الامان الاول ای لم یبق مسلم او ذمی
فیہا امنا الا بامان الکفار ولم یبق الامان
الذی کان للمسلم باسلامہ وللذمی
بعقد الذمۃ قبل استیلاء الکفرۃ - و
عندہما لا یشترط الا الشرط الاول - و
قال شیخ الاسلام والامام الاسبیجابی ان
الدار محکومۃ بدار الاسلام ببقاء حکم
واحد فیہا کما فی العمادی وغیرہ
فالاحتیاط ان یجعل ہذہ البلاد دار الاسلام
والمسلمین وان کانت للملاعین - و
الید فی الظاہر ہؤلاء الشیاطین کما

کافی میں ہے - زاہدی نے ذکر کیا ہے - کہ
دار الاسلام وہ ہے جسمیں مسلمان غالب (یعنے
بہت) ہوں - اور (اسیوجہ سے) وہ کافروں
سے بے خوف ہوں - اور دار الحرب وہ ہے
جسمیں مسلمان کافروں سے ڈرتے ہوں اور
اس مسئلہ میں کچھ بھی اختلاف نہیں کہ دار الحرب
صرف بعض احکام اسلام کے جاری ہونیسے
دار الاسلام بن جاتی ہے - رہا یہ مسئلہ کہ دار الاسلام
دار الحرب بھی ہوجاتی ہے - سو اسمیں اختلاف ہے
امام اعظم مذہب حنفی کے نزدیک دار الاسلام
تین شروط کے پائے جانے یعنے جمع ہونے سے
دار الحرب ہوجاتی ہے - اول یہ کہ اسمیں کافروں
کے حکموں پر حکام سب حکم جاری کریں مسلمان
قاضیوں کی طرف حکام یا اور لوگ رجوع
نہ کریں جیسا کہ حیرہ میں ہے - (یہ ایک جگہ کا
نام ہے) شرط دوم یہ کہ وہ دار الاسلام دار الحرب
سے ایسی متصل ہوجائے کہ دونوں میں کوئی شہر
اسلام کے شہروں میں سے ایسا نہ ہو جس سے
اس دار الاسلام کو (ضرورت کے وقت) مدد
پہنچ سکے - تیسری شرط یہ ہے کہ پہلی امان جو
مسلمان کو اسلام کے سبب اور کافر ذمی کو ذمی ہونے

فی المستصفی وغیرہ (جامع الرموز ص۵۳۶) | کی وجہ سے مسلمان بادشاہ کیطرف سے غلبہ کفار سے پہلے ملی ہوئی تھی باقی نہ رہی ہو۔ امام صاحب کے دونو شاگرد امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں۔ کہ دار الاسلام صرف پہلے ایک شرط کے پائے جانے سے دار الحرب ہو جاتی ہے۔ اور شیخ الاسلام اور امام سیبیجابی فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی ایک حکم احکام اسلام سے دار الاسلام مین باقی رہیگا وہ دار الاسلام کہلائیگی۔ جیسا کہ فصول عمادی میں ہے۔ لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ یہ شہر (جنمیں بعض احکام اسلام جاری ہیں) دار الاسلام قرار دیئے جائیں۔ اگرچہ یہ کافروں کے ملک و تسلط مین ہیں۔ ایسا ہی مستصفی میں ہے۔

دوسری عبارت جسکو مولوی محمد حسن صاحب مدرس نے اپنے جواب کی تائید و ثبوت میں پیش کیا تھا عبارت فتاوے عزیزیہ ہے۔ جو شیخ مشائخنا حضرت شاہ عبد العزیز صاحب مرحوم دہلوی کیطرف منسوب ہے۔ اور وہ اس فتاوے کے ص۱ جلد اول میں ہے۔

سوال دار الاسلام دار الحرب میشود یا نہ **جواب** در کتب معتبرہ اکثر ہمیں روایت اختیار کردہ کہ دار الاسلام دار الحرب میتواند شد بشروط ثلثہ۔ در درمختار مینویسد لا تصیر دار الاسلام دار الحرب الا بامور ثلثۃ باجراء احکام اھل الشرک و باتصالھا بدار الحرب و بان لا یبقی فیھا مسلم او ذمی امنا بالامان الاول علی نفسہ و دار الحرب تصیر دار الاسلام باجراء احکام اھل الاسلام فیھا انتھی و در کافی مینویسد ان المراد بدار الاسلام بلاد یجری فیھا حکم امام المسلمین و یکون تحت قھرہ و بدار الحرب بلاد یجری فیھا امر عظیمھا و تکون تحت قھرہ انتھے۔ دریں شہر حکم امام المسلمین اصلاً جاری نیست و حکم رؤسا نصاریٰ بے دغدغہ جاری است و مراد از اجرائے احکام کفر این است کہ در مقدمہ ملک داری و بندوبست رعایا اخذ خراج و باج و عشور اموال تجارت و سیاست قطاع الطریق و سراق و فیصل خصومات و سزائے جنایات کفار بطور خود حاکم باشند آرے اگر بعضے احکام اسلام را مثل جمعہ و عیدین و آذان و ذبح بقر تعرض نہ کنند نکردہ باشند۔ لیکن اصل الاصول این چیزہا نزد ایشاں ہبا و ہدر است زیرا کہ

مساجد را بے تکلف ہدم مینمایند وہیچ مسلمان یا ذمی بغیر استیمان ایشان دریں شہر و نواح آن نمیتواند آمد برائے منفعت خود از واردین و مسافرین و تجار مخالفت نمی نمایند اعیان دیگر مثل شجاع الملک وولائتی بیگم بغیر حکم ایشان دریں بلاد داخل نمیتواند شد و ازیں شہر تا کلکتہ عمل نصارے ممتد است آرے درچپ و راست مثل حیدرآباد و لکھنو و رام پور احکام خود جاری نکردہ اند بسبب مصالحہ و اطاعت مالکان آن ملک و از روئے احادیث و تتبع سیرت صحابہ کرام و خلفائے عظام ہمین مفہوم میشود زیراکہ در عہد حضرت صدیق اکبر بنی یربوع را حکم دار الحرب دادند حال آنکہ جمعہ و عیدین و اذان در آنجا جاری بود انکار حکم زکوٰۃ کردہ بودند و ہمچنین سماحہ و گرد و نواح آنرا حکم دار الحرب دادند باوجودیکہ مسلمانان در آن بلاد موجود بودند و علے ہذا القیاس در عہد خلفائے کرام ہمین طریق مسلوک بود۔ بلکہ در عہد حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم فدک و خیبر را حکم دار الحرب فرمودند حالانکہ تجار اہل اسلام بلکہ بعضے سکنہ آنجا نیز در آن مکانات و در وادی القرے مشرف باسلام بودند و فدک وخیبر کمال اتصال بود با مدینہ منورہ۔ الخ

اس عبارت کے اخیر میں جو دعوے کیا گیا ہے کہ زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفار کا عمل اس مذہب کا مؤید ہے کہ جس دیار میں صرف بعض احکام جاری ہوں (یعنے پورے احکام اسلام جاری نہ ہوں) وہ دار الحرب ہے۔ اور اس دعوی کی تائید میں بعض واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس سے مدرس صاحب نے دھوکہ کھایا۔ اور یہ سمجھ لیا کہ یہ قول درایت سے موید ہے۔ لہٰذا بحکم قاعدہ ممہدہ سابقہ اس قول کو دوسرے اقوال فقہاء پر (جو بعض دیار کفار پر بعض احکام اسلام کے اجرا سے دار الاسلام ہونے کا حکم لگاتے ہیں) ترجیح ہے۔

الجواب

اس عبارت جامع الرموز اور فتاوے عزیزیہ کا اس مجلس سرسری مذاکرہ میں یہ مجمل اور سرسری جواب دیا گیا تھا۔ کہ عبارت جامع الرموز میں گو ابتدا میں ایک قول تعریف

دارالحرب میں آپ کے خیال کا موئید نقل کیا گیا ہے۔ مگر اسکے بعد حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب اور امام اسپیجابی اور شیخ الاسلام کے اقوال ایسے نقل کئے ہیں جو آپ کے خیال کے برخلاف ہمارے دعوے کے موئید ہیں۔ اور آخری فتوے اور نتیجہ اقوال مذکورہ بھی صاحب جامع الرموز نے ایسا ظاہر کیا ہے جو ہمارے دعوے کا سربسر مصدق ہے۔ اور فتاوے عزیزیہ میں جن واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ بھی ہمارے دعوے کی موئید ہیں۔ وازانجاکہ وہ موقعہ ہمارے تفصیلی بحث و بیان کا نہ تھا (جس کیوجہ خط منقولہ بالا میں ہمنے ظاہر کی ہے) لہذا اس مجلس میں ہمنے اسی اجمال و اختصار پر اکتفا کیا۔ اس مقام میں اس اجمال کی تفصیل کرتے ہیں بحول اللہ وقوتہ۔

عبارت جامع الرموز کا جواب

یہ عبارت خدا کے فضل سے ہمارے دعوے کی موئید ہے۔ نہ مدرس صاحب کے خیال کی مصدق۔ اس عبارت کے شروع میں گو دارالحرب کی تعریف میں ایک قول ایسا نقل کیا گیا ہے جس سے بظاہر مدرس صاحب کے اس خیال کے کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ تائید نکلتی ہے۔ کیونکہ ہندوستان کے فرمانروا اسوقت مسلمان نہیں عیسائی سلطنت ہے۔ مگر اس قول کے بعد جسقدر **اقوال** اسمیں نقل کئے گئے وہ سب کے سب خیال **مدرس** صاحب کے **مخالف** اور **ہمارے دعوے کے موافق** ہیں۔ ازانجملہ **ایک قول** امام زاہدی کا ہے۔ جس میں صاف تصریح ہے۔ کہ دارالاسلام وہ ہے جسمیں مسلمان بہت ہون اور وہ باامن رہتے ہوں۔ اور دارالحرب وہ ہے جسمیں مسلمان (قلت کیوجہ سے) کافروں سے ڈرتے ہوں۔ اس قول کے رو سے ہندوستان یقیناً دارالاسلام ہے۔ کیونکہ اسمیں مسلمان اس کثرت سے رہتے ہین کہ وہ اس کثرت کیوجہ سے اور شعایر مذہبی میں کلیتہً و بوجہ تمام تر امن و آزادی رکھتے ہیں۔ نہ سلطنت کی طرف سے انکو خوف ہے۔ نہ دیگر اقوام رعایا کی طرف سے خوف۔

سلطنت سے تو وہ اِس وجہ سے بھی بے خوف ہیں کہ یہ سلطنت نیوٹرل (غیر طرفدار) ہے۔ جو کسی فرقہ رعایا کے مذہب میں دخل نہیں دیتی۔ اور ابتداءِ زمانہ حکومت میں اس مضمون کا اشتہار جاری کر چکی ہے۔ اور اُسکے بعد بھی جب کبھی کسی امر متعلق مذہب رعایا میں مصلحت یا ضرورت ملکی کی نظر سے دخل دینا چاہتی ہے تو قبل از تجویز قانون متعلق مذہب رعایا کے لیڈرون۔ (رہنماؤن) اور پرنسپل اشخاص اور عام اخبارون اور اشتہارون کے ذریعہ سے اس امر کی نسبت رعیت کی رضامندی حاصل کر لیتی ہے۔ اور پیچھے کر ایسا قانون جسکو مذہب سے تعلق ہو پاس کرتی ہے۔ اور اگر رعایا کی رضامندی نہ ہو تو اس قانون کا اجرار موقوف کرتی ہے۔ اسکے نظائر ایک نہیں بہت ہیں۔ از انجملہ اسکے ایک نظیر عورتوں کے حقوق و آزادی میں وسعت و دست اندازی ہے جس کی خواہش گورنمنٹ بمبئی کو ہوئی تھی۔ پھر وہ اسلامی اخبارون کی اس مودبانہ گذارش پر کہ مسلمان اسمیں خوش نہیں۔ فوراً موقوف ہو گئی۔ (اشاعۃ السنہ نمبر ۵ جلد ۱۰۔ ملاحظہ ہو) **ایک تازہ نظیر طاعون** کے متعلق میڈیکل (طبی) انتظام ہے۔ اسمیں عورتونکو انکے محرموں سے علیحدہ رکھ کر علاج کرنے یا پردہ نشین عورتون کا ڈاکٹر مردوں سے علاج کرانیکا اسلام کے مسئلہ پردہ سے تعلق تھا۔ تو گورنمنٹ پنجاب نے مسودہ احکام ہوم ڈیپارٹمنٹ (طب وحفظان صحت) نمبری ۳۴۔ مؤرخہ ۱۱ جنوری ۱۸۹۸ء کی دفعہ ۶ و ۱۱ میں اس امر کی رعائیت کر کے عام رضامندی حاصل کرنے کی غرض سے ان احکام کو شایع و سرکلیٹ (متداول) کیا ہے۔

اس نیوٹرلٹی گورنمنٹ کا اصل اصول اور قوی سبب رعایا کا قومی غلبہ ہے۔ جو گورنمنٹ غیر قوم پر حکمران ہوتی ہے۔ وہ اس قوم کے مذہب سے نیوٹرل رہنا اپنی سلطنت کے قیام و استحکام کا باعث سمجھتی ہے۔ اور انکے مذہب میں دخل دینے کو باعث خلل و نقصان حکومت خیال کرتی ہے۔ یہ ایک ایسا اصول ہے کہ اسلام اور اسلامی سلطنتوں نے بھی اس کا لحاظ فرو گذاشت نہیں کیا۔

دوسرا قول وہ ہے جو صاحب جامع الرموز نے اتفاقی و بلا اختلاف قول قرار دیا ہے کہ دارالحرب بعض احکام اسلام کے اجراء سے دارالاسلام ہو جاتی ہے۔

یہ قول اتفاق کے ساتھ ہندوستان کو اسحالت میں جبکہ اسمیں سلاطین اسلام کے ذریعہ سے اسلام آیا تھا۔ دارالاسلام بناتا ہے۔ رہی اسکی وہ حالت جو اس کے بعد اسپر آئی جبکہ سلطنت اسلام اس سے جاتی رہی۔ سو ناظرین کو تیسرے قول حضرت امام اعظمؒ سے معلوم ہوگی۔

تیسرا قول حضرت امام اعظمؒ کا یہ قول ہے کہ جب کوئی ملک دارالاسلام ہو جائے تو پھر وہ دارالحرب کبھی نہیں ہوتا جب تک کہ تین شرطیں اسمیں جمع نہوں۔ اوّل یہ کہ اسمیں حاکم وقت صرف اپنے ہی احکام مخالف اسلام جاری کرے مسلمانوں کے قاضیوں کی طرف یا یوں کہو کہ احکام اسلام سے کسی حکم کی طرف رجوع نہ کرے جسکا مطلب یہ ہے (چنانچہ عالمگیری اور ردّ المختار اور طحطاوی سے بصفحہ ۳۱۳ گذرا ہے۔ کہ اگر کسی ملک میں بعض احکام کفار جاری ہوں۔ اور بعض احکام اسلام تو وہ ملک دارالاسلام ہوگا۔ نہ دارالحرب۔ دوسری شرط یہ کہ اس ملک کو دارالاسلام سے (جس سے مسلمانوں کو بوقت ضرورت مدد پہنچنے کی امید ہو۔) اتصال نہ رہے تیسری شرط یہ کہ پہلی امان جو مسلمانوں کو اسلام کے سبب اور ذمیوں کو ذمہ و عہد کے سبب ملی تھی دور ہو جائے اس قول امام ہمام کے رو سے بھی ہندوستان دارالحرب نہیں۔ بلکہ یقیناً دارالاسلام ہے۔ کیونکہ دارالحرب کی شرط اول و دوم ہندوستان میں پائی نہیں جاتی شرط اوّل اسلئے پائی نہیں جاتی کہ یہاں کے حکام اگرچہ بہت سے احکام مخالف اسلام جاری کرتے ہیں۔ مگر بعض معاملات (جیسے نکاح۔ طلاق۔ ہبہ۔ شفعہ۔ میراث وغیرہ) میں احکام اسلام پر عمل کرتے ہیں۔ اور انمیں مسلمانوں کے متعلق قانون عدالت شریعت اسلام کا تابع ہے۔ ایک زمانہ تک تو سلطنت کی طرف سے مفتی کا عہدہ علماء اسلام سے مخصوص تھا۔ اب وہ عہدہ نہیں رہا۔ تو بھی امور متذکرہ کے متعلق فتوے احکام اسلام ہی پر عدالت کا عمل و حکم ہوتا ہے۔ اور اپنی خوشی سے تو فریقین جس امر میں چاہیں عدالت میں جاکر شریعت کو منصف

بنا سکتے ہیں۔ اور عدالت نہیں روکتی۔ اور اگر خانگی طور پر بلا رجوع عدالت مسلمان مفتیوں اور قاضیوں سے فیصلہ کراویں تو اُسکو بھی عدالت قطعاً نافذ کرتی ہے۔ اُن سب امور سے کوئی شخص آنکھہ بند کرکے کہے کہ شرط اوّل اس ملک میں پائی جاتی ہے یعنے اس ملک کی عدالتوں میں احکام اسلام پر کوئی فیصلہ نہیں ہوتا۔ تو شرط دوم کی عدم تحقق میں اسکو بھی عذر نہ ہوگا۔ آنکھ سے اندھا۔ اور حالات عدالت انگریزی سے جاہل بھی جانتا ہے کہ اس ہندوستان کی جانب مغرب و شمال میں افغانستان دار الاسلام متصل ہے۔ اور مغرب کی طرف عربستان و سلطنت ٹرکی متصل ہیں۔

چوتھا۔ قول شیخ الاسلام ابو بکر شارح سیر الاصل کا۔

اور پانچواں قول امام اسپیجابی مؤلف مبسوط کا ہے (جنکی اصل عبارت فصول عمادیہ کے واسطے سے منقول ہوئے ہیں۔) وہ اقوال بلند آواز سے پکار رہے ہیں کہ جب تک کسی ملک مین احکام اسلام سے ایک حکم بھی باقی رہیگا وہ ملک دار الاسلام کہلائیگا۔

چھٹا قول خود صاحب جامع الرموز کا ہے جو بطور نتیجہ روایات و اقوال سابقہ اُنہوں نے فرمایا۔ اور اسمیں احتیاط اس امر کو کہا ہے کہ جس شہر یا ملک میں بعض احکام اسلام جاری ہوں وہ دار الاسلام کہلائے گا۔ نہ دار الحرب گو اسمیں ظاہری تسلط و حکم کفار کیلئے ہو۔ اس قول یا نتیجہ کو صاحب الرموز نے مستصفی کا مضمون بتایا ہے اگرچہ مستصفی وہ ہے جو صاحب کافی کی تصنیف ہے (جس کا ذکر عنقریب صاحب کافی کے بیان حالات میں آئے گا۔) تو یہہ قول ہماری تائید میں اور مدرس صاحب کے خلاف پر

ساتواں شاہد ہوا۔ اور اس سے کافی کی اس تعریف دار الحرب کا (جو بظاہر مدرس صاحب کے خیال کی مرید ہے۔ اور وہ جامع الرموز کی پہلی روایت ہے۔) جواب خود صاحب کافی ہی کے دوسرے قول سے (جو مستصفی میں اُنہوں نے کہا ہے) ادا ہوا۔ مستصفی کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کتاب کافی میں دار الحرب و دار الاسلام کی تعریف بیان ہوئی ہے وہ اسکی عام تعریف نہیں ہے جو دار الاسلام و دار الحرب کے ہر ایک فرد پر صادق آوے

بلکہ یہ بعض افراد دارالاسلام و دارالحرب کی تعریف بطور تمثیل ہے۔ جس سے بعض افراد کا خارج ہونا محل اعتراض نہیں ہے۔

اور اگر غور و نظر تفقہ سے دیکھا جاتا ہے تو دارالاسلام کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ دارالاسلام ہے جو دم نقد و سردست اسلام و مسلمین کا ملک ہو مسلمان ہی اسمیں حاکم و بادشاہ ہو اور مسلمان ہی اکثر رعایا ہو۔ اور اگر کوئی غیر مذہب اسمیں رہتا ہو۔ تو وہ مسلمانوں کے ماتحت اور انکے عہد و امان میں ہو۔ جیسے سلطنت روم و سلطنت ایران و سلطنت افغانستان وغیرہ ہیں۔ جنکا اس قسم کا دارالاسلام ہونا محل اختلاف نہیں ہے۔ دوسری وہ دارالاسلام ہے جو زمانہ گذشتہ سے زمانہ حال تک کافروں کے زیر حکومت ہو۔ مگر مسلمان اسمیں کافرون کیطرف سے امن و آزادی پاکر رہتے ہوں۔ اور ادائے شعائر مذہبی میں آزاد و خود مختار رہوں۔ (جیسے نجاشی کے مسلمان ہو جانے سے پہلے اور مہاجرین حبشہ کی ہجرت کے وقت سلطنت حبشہ تھی (جسکا اس قسم کا دارالاسلام ہونا صفحہ ۳۰ نمبر ۱ جلد ہذا میں ثابت ہو چکا ہے۔) تیسری وہ دارالاسلام جو زمانہ ماضی میں زیر حکومت اسلام ہو۔ اور من بعد اسپر غیر اسلامی سلطنت کی حکومت ہو گئی ہو۔ مگر اس غیر اسلامی سلطنت نے احکام اسلام کو بالکلیہ نہ اٹھایا ہو۔ بلکہ رعایا کے عمل و اعتقاد کے متعلق نماز روزہ حج زکوۃ وغیرہ احکام میں انکو آزادی دے رکھی ہو۔ اور اپنی ذاتی و مذہبی یا حکومت و سیاست کے متعلق احکام اپنے مذہب و آئین و قوانین کے مطابق جاری کر رکھے ہوں جیسے زمانہ گذشتہ میں سلطنت تاتار کے ماتحت خوارزم وغیرہ کا حال تھا۔ یا زمانہ حال میں ملک ہندوستان کا حال ہے۔ جو انگریزی گورنمنٹ کے ماتحت ہے (جنکا اس قسم کا دارالاسلام ہونا نصوص شرعیہ اور اقوال فقہیہ سے بصفحہ ۳۲۰ ثابت ہو چکا ہے) پس جو صاحب کافی نے دارالاسلام کی تعریف میں کتاب کافی میں کہا ہے۔ وہ ہر ایک قسم دارالاسلام کی تعریف نہیں ہے۔ بلکہ صرف قسم اول دارالاسلام کی تعریف ہے۔ اور جو صاحب کافی نے اپنی کتاب مستصفی میں اور دوسرے اکابر مذہب نے کتب مذکورہ بالا میں دارالاسلام کی

تعریف میں کہا ہے وہ دوسری اور تیسری قسم دارالاسلام کی تعریف ہے۔ اسصورت میں صاحب کافی کے اپنے دو قول اور دوسرے اقوال ائمہ فقہاء میں باہم تناقض و تخالف نہیں رہتا۔ بلکہ جملہ حضرات کے اتفاق سے جملہ اقسام دارالاسلام بن جاتے ہیں۔ اور نصوص شرعیہ بھی ان سب کے اقوال کے مصدق ہوتے ہیں جو جملہ اقسام کو دارالاسلام بناتے ہیں۔ اور اگر کتاب کافی کے اس قول کا یہ محمل قرار نہ دیا جاوے تو وہ قول دوسرے قول مستصفی کے اور دیگر اقوال آئمہ مذہب کے مخالف ٹھرتا ہے۔ اور وہ اس نصوص شرعیہ کے بھی مخالف ہوتا ہے۔ جو قسم دوم وسوم دارالاسلام کو دارالاسلام بناتے ہیں۔

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ پہلی روائت جامع الرموز بھی درحقیقت مدرس صاحب کے خیال کی مؤید اور ہمارے جواب کے مخالف نہیں۔ بلکہ یہ سند کتاب جامع الرموز جو مدرس صاحب نے پیش کی ہے۔ سرسر ہمارے جواب کی مؤید ہے۔ مدرس کی تائید میں اُس کے ایک لفظ ایک حرف سے نہیں نکلتی۔

مجلس مذاکرہ سرسری بیں اس کتاب کے اقوال امام زاہدی و فصول عمادی کو ہم نے اپنے خیال کی مؤید قرار دیا تو مدرس صاحب نے **زاہدی** پر بحوالہ ردالمختار **اعتراض** کیا کہ وہ لائق اعتماد نہیں۔ اور صاحب **فصول عمادیہ** کے حال و مرتبہ سے لاعلمی کا اظہار کرکے صاحب کافی سے اسکا موازنہ کرنا چاہا۔ **اس کے جواب میں** کہا جاتا ہے کہ امام زاہدی کا عدم اعتماد اس صورت میں ہے۔ جبکہ وہ اپنے قول و نقل میں متفرد ہو۔ اور جس حالت میں اسکا قول ایسا ہو جو سبھی کا قول ہو حتے کہ امام مذہب اور اُنکے شاگردوں کا بھی وہی قول ہو تو پھر امام زاہدی کے ناقابل اعتماد ہونے کے کیا معنے۔ اور صاحب **فصول عمادیہ** کا صاحب **کافی** سے موازنہ بھی اسوقت ضروری ہے۔ جبکہ ان دونوں کے قول یا نقل میں باہم منافاۃ و تناقض ہو۔ اور جس حالت میں صاحب کافی نے ایک ایسی بات کہی ہے جو قول صاحب فصول عمادیہ کے مخالف نہیں۔ بلکہ مؤید و موافق ہے۔ تو پھر ان میں موازنہ

کرنا۔ اور ایک دوسرے پر ترجیح دینا کیا معنے رکھتا ہے۔ ہاں اگر مدرس صاحب تاریخی معلومات بڑھانے کی غرض سے ہمسے دونو صاحبوں کے حالات دریافت کرتے ہیں۔ تو ہم دونو صاحبوں کے حالات بیان کرتے ہیں۔

پس واضح ہو کہ صاحب کافی عبداللہ بن احمد بن محمود ابوالبرکات حافظ الدین نسفی ہیں جو فقہ و اصول میں ایک امام تھے۔ اور اُنہون نے شمس الائمہ کردری و حمید الدین ضریر و بدر الدین خواہرزادہ سے تفقہ حاصل کیا تھا۔ ابن کمال باشانی انکو طبقہ ان مقلدین میں جو قوی و ضعیف روایت کی تمیز کرنے پر قادر ہوں شمار کیا ہے۔ اور طبقہ مجتہدین و مخرجین و مرجحین سے نیچے انکا درجہ بتایا ہے انکے تصانیف مشہور ہیں۔ فقہ میں متن وافی اور اس کی شرح کافی ہے (جس کی عبارت زیر بحث ہے۔) اور کنز الدقائق اور مصفی شرح منظومہ اور مستصفی شرح فقہ نافع وغیرہ سنہ ۷۱۰ھ سات سو دس ہجری میں وہ فوت ہوئے۔

اور صاحب فصول عمادیہ عبدالرحیم ابوالفتح زین الدین بن ابی بکر عماد الدین بن صاحب الہدایہ ہیں۔ جو فقہ میں اپنے باپ اور حسام الدین علیا بادی۔ شاگرد مجد الدین اسروشنی کے شاگرد ہیں۔ علم فقہ میں وہ بھی امام تھے۔ اور انکی کتاب فصول عمادیہ فقہا رمین معتمد علیہ ہے۔ متقدمین و متاخرین حنفیہ اس کتاب پر اعتماد کرتے۔ اور اس سے روایت اخذ کرتے ہیں۔ کتاب جامع الفصولین اسی فصول عمادیہ اور فصول اسروشنیہ کا مجموعہ ہے طبقات فقہا رمیں ان کو بھی ان مقلدین سے شمار کیا ہے۔ جو مذہب مجتہدین تجرّ رکھتے اور مجتہد کی کلام کو نقل کرتے تھے تاکہ مستفتے انپر اعتماد کرکے عمل کرے یہ کتاب فصول عمادیہ انہون نے چھ سو اکاون سنہ ۶۵۱ھ میں بمقام سمرقند تالیف کی۔

یہ حالات جواہر مضیہ وغیرہ کتب طبقات حنفیہ میں مرقوم ہیں۔ اور مولوی عبدالحی صاحب مرحوم کی کتاب فوائد بہیہ کے صفحہ ۴۰ و ۴۳ میں بھی کچھ انکا تذکرہ ہے۔

ان حالات کو پڑھ کر مولوی صاحب مدرس یقین کرینگے کہ صاحب کافی و صاحب فصول عمادیہ

زمانہ اور رتبہ میں قریب قریب ہیں۔ صاحب فصول عمادیہ کی نقل و روائت پر بھی فقہار حنفیہ کو ویسا ہی اعتماد ہے۔ جیسا کہ صاحب کافی کی نقل و روائت پر اعتماد ہے۔ اور ایسا اعتماد دونو صاحب پر نہیں جیسا کہ مقلد کو مجتہد کے قول پر اعتماد ہوتا ہے۔ کیونکہ دونو صاحب مجتہد تسلیم نہیں کئے۔

عبارت فتاوے غزنویہ کا جواب

یہ عبارت اگرچہ ایک ایسی واجب التعظیم بزرگ کی طرف منسوب ہے۔ جو اسوقت اہل علم حدیث ہندوستان و پنجاب کا منتہائے سند ہے۔ مگر اسمیں کسی کو شک و اختلاف نہیں ہے کہ وہ صاحب اپنے مختلف خیالات کے تلاندہ کی جماعتوں (اہلحدیث و اہل فقہ یا یوں کہو کہ محدثین و مقلدین) میں ایسے واجب الاتباع تسلیم نہیں کئے گئے کہ انکی کلام کو بغیر کسی امتحان و بلا چون و چرا ہر کوئی ایسا مان لے جیسا کوئی مقلد ایک مجتہد کی بات تقلیداً مان لیتا ہے۔ اور اس سے اُس کی دلیل نہیں پوچھتا۔

اہل حدیث یا محدثین تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو ایسا نہیں جانتے جس کی بے دلیل بات مان لینا وہ اپنے ذمہ پر واجب سمجھتے ہوں۔ اور اسکی دلیل تلاش نہ کرتے ہوں اور اگر وہ اسکو خلاف دلیل صریح پاتے ہوں تو اسکو رد نکرتے ہوں۔

رہی اہل تقلید یا مقلدین سو بھی انکو مجتہد نہیں جانتے۔ اور طبقات ثلثہ مجتہدین میں شمار نہیں کرتے۔ بلکہ یہ بھی امید نہیں کہ وہ انکو طبقہ رابعہ خامسہ سے سمجھتے ہوں۔ زیادہ سے زیادہ انکو طبقہ سادسہ یا سابعہ سے جانتے ہونگے۔ جن طبقات سے صاحب کافی و صاحب فصول عمادیہ ہیں یہ امر فرض و تسلیم کیا جائے تو انکا منصب وہ یہ سمجھتے ہونگے کہ جو روائت وہ امام صاحب مذہب سے نقل کرین اسکو وہ مان لیں نہ یہ کہ جو کچھ وہ اپنے اجتہاد یا رائے یا فہم سے کہیں اُسکی وہ تقلید کرلیں۔

ہماری اس تقریر و تمہید میں ہمارے مخاطب مولویصاحب مدرس کو ایک ذرہ شک و اختلاف

کی گنجائش نہیں ہے۔ لہذا وہ فتاوے عزیزیہ کی عبارت مذکورہ کو نہ اہل حدیث کے مقابلہ میں بطور حجت ملزمہ پیش کر سکتے ہیں۔ اور نہ اپنے بھائیوں حنفیوں کے سامنے ایک حنفی مذہب کی مسلم دلیل سمجھکر پیش کر سکتے ہیں۔ پھر معلوم نہیں مدرس صاحب نے اس عبارت کو کیوں پیش کیا۔ اور اسکا جواب طلب کرنے کا انکو کیا حق ہے۔ تاہم اس عبارت کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس عبارت فتاوے میں جو قول شروط دار الحرب کے متعلق درمختار سے نقل کیا ہے اور اسکو اکثر معتبرہ فقیہ کا مختار (پسندیدہ امر) قرار دیا ہے۔ وہ ہمارے خیال کا موید ہے۔ چنانچہ اسکی تشریح بخوبی ہو چکی ہے۔ اور اسی کی نظر سے ہم نے عبارت مذکورہ فتاوے عزیزیہ کو اپنی مؤیدات سے شمار کیا ہے۔ دوسری عبارت کافی کی عبارت ہے۔ اسکی توجیہ ہمنے ایسی کر دی ہے کہ وہ دیگر اقوال فقیہ کے موافق ہو سکتی ہے اور وہ بھی ہمارے قول کی موید بن جاتی ہے۔ ان دو عبارتوں کے بعد جو باتیں اس فتوے میں کہی گئی ہیں وہ من اولہا الی آخرہا غلط ہیں نہ حدیث ان پر شاہد ہے نہ فقہ ان کی موید ہے۔ بلکہ حدیث اور فقہ انکے خلاف پر شہادت دے رہی ہیں۔ اسوجہ سے وہ باتیں نہ اہل حدیث کے ماننے کے لائق ہیں۔ نہ اہل فقہ کے قبول کرنے کے قابل۔ وہی باتیں صاف یقین دلاتی ہیں کہ یہ فتوے وضعی و مصنوعی ہیں۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب مرحوم کی شان اس سے ارفع ہے کہ ایسی باتوں کو انکی طرف منسوب کیا جائے۔

وہ چار باتیں ہیں از انجملہ ایک یہ ہے کہ دار الحرب میں اجرا احکام کفر سے یہ مراد ہے کہ ملکی امور بندوبست ارضی واخذ خراج وفصل خصومات اور سزا تقصیرات میں کفار اپنے احکام کے مطابق حکم کریں۔ جسکا مفہوم یہ ہے کہ دار الاسلام وہ ہے جسمیں ان ہی معاملات میں احکام اسلام حکم جاری ہوں۔

یہ محض غلط بات و بے سند ہے۔ نہ تو اس فتوے میں اسکی کوئی سند قرآن یا حدیث سے بتائی ہے۔ اور نہ کوئی روایت فقہی یا قول فقیہ اسکی تائید میں نقل کیا ہے۔ اور نہ کتب حدیث اور فقہ میں اسکی کوئی سند پائی جاتی ہے۔ بلکہ حدیث و فقہ دونوں میں اسکا خلاف مشاہد

میں آتا ہے۔

در مختار میں ان احکام کی مثال میں (جنسے دار الحرب دار الاسلام بن جاتی ہے۔) جمعہ اور عیدین کو شمار کیا ہے۔ چنانچہ صـ۳۱۱ میں گذرا۔ (جو بندوبست ملک سے کوئی تعلق نہیں رکھتی) ایسا ہی **فتاوٰے بزازیہ** میں کفار تاتار کے ماتحت خوارزم کے دار الاسلام ہونے کی وجہ اجراء جمعہ و جماعات کو شمار کیا ہے۔ اور یہ بھی اسمیں کہا ہے کہ اسمیں ٹکس وغیرہ آئین کفار کے موافق لیا جاتا تھا۔ جو بندوبست ملک کے متعلق ایک امر ہے۔

یہ توفقہ کی شہادت ہے۔ ایسی ہی حدیث نبوی کی شہادت ہے۔ جو صـ۳۰۶ و ۳۰۷ میں گذر چکی ہے۔ کہ جہاں اذان سُنو یا مسجد دیکھو وہاں کسی کو قتل نہ کرو۔ اس حدیث میں احکام اسلام سے (جو دار الحرب کو دار الاسلام بنا دیتے ہیں۔ اذان کو شمار کیا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ جہاں بندوبست ملک حکم اسلام کے مطابق ہو وہاں قتل سے ہاتھ کو روک لو۔

دوسری غلط بات اس فتوے میں یہ لکھی گئی ہے کہ انگریز مسجدوں کو بلا تکلف گرا دیتے ہیں۔ اور ایسی چیزیں انکے نزدیک ہدر ہیں یعنے کوئی سزا یا تاوان نہیں رکھتیں۔ اسکے غلط ہونے پر صورت اور حالت موجودہ ہندوستان شاہد ہے۔ انگریز کسی مسجد کو کسی ملکی ضرورت کے سوا نہیں گراتے۔ اور اگر کوئی کسی کے معبد کو گرا دے یا کسی قسم کی اُسکی اہانت کرے تو اسکو جیلخانہ میں بھیجدیتے ہیں۔ اور اس جرم کی سزا تعزیرات ہند کے ذریعہ مشتہر کر چکے ہیں۔ خود انکا کسی مسجد کو گرانا ایسی ملکی ضرورتوں کے لئے ہوتا ہے جنکی نظر سے وہ اپنے چرچ (گرجا) کو بھی گرا دیتی ہے۔ ومعہذا وہ اُسکا تاوان قیمت رائج الوقت دیدیتی ہے پھر یہ کہنا کہ یہ چیزیں انکے نزدیک بے سزا و بے تاوان ہیں غلط نہیں تو اور کیا ہے۔

تیسری غلط بات اسمیں یہ کہی ہے۔ کہ حضرت صدیق اکبر کے عہد میں بلاد بنی یربوع کو باوجودیکہ اسمیں جمعہ و عیدین جاری تھے دار الحرب کا حکم دیا گیا۔

اسکے غلط ہونے پر واقعات تاریخیہ و روایات حدیثیہ شاہد ہیں۔ کسی کتاب معتبرہ

نہیں دیکھا جاتا کہ دیار بنی یربوع میں جمعہ عیدین کی نماز جاری تھی - بلکہ اسکے برخلاف یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگون پر حضرت صدیق اکبر نے چڑھائی کی تھی وہ سب نماز چھوڑ بیٹھے تھے - اور روئے زمین بجز تین مسجدون (یعنے مسجد نبوی مسجد کعبہ اور مسجد عبد القیس -) کہیں خدا کے لئے سجدہ نہ ہوتا تھا -

اکثر لوگ تو اسلام سے مرتد ہو گئے تھے - اور بعضے جو برائے نام دین اسلام پر قایم تھے وہ بھی بعض احکام اسلام زکوۃ وغیرہ سے منکر ہو کر مرتد و خلیفہ وقت سے باغی ہو گئے - از انجملہ بعض (جیسے بنی یربوع) زکوۃ خلیفہ وقت کے پاس بھیجنا چاہتے تو اُنکے رئیس اس سے روکتے تھے - غرض وہان کوئی اسلامی حکم بھی بے روک ٹوک جاری نہ تھا - جس کی وجہ سے وہ علاقہ دار الحرب بنا یا گیا -

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں مرتد (دین سے پھر جانے والے) دو قسم تھے -

ان اهل الردة كانوا صنفين صنف ارتدا عن الدين نابذوا الملة وعادوا الى الكفر وهم الذين عناهم ابو هريرة بقوله كفر من كفر من العرب وهذه الفرقة طائفتان احدهما اصحاب مسيلمة من بني حنيفة وغيرهم الذين صدقوه فی دعواه فی النبوة واصحاب الاسود العنسی ومن كان من مستجيبيه من اهل اليمن وهذه الفرقة باسرها منكرة لنبوة محمد صلی الله عليه واله وسلم مدعية النبوة لغيره - فقاتلهم ابو بكر رضی الله عنه حتی قتل مسيلمة باليمامة والعنسی

ایک قسم وہ جنہوں نے اسلام کو چھوڑ دیا - اور اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے - وہی لوگ ابو ہریرہ کے اس قول سے کہ عرب کے لوگ کافر ہو گئے جو ہو گئے مراد ہیں - اس قسم کے دو فریق یا ٹولے ہیں - ایک تو وہ جو مسیلمہ کذاب کے ساتھی تھے - جنہوں نے اسکو دعوت نبوت میں سچا مان لیا تھا - اور بعضے انمیں اسود عنسی کے ساتھ والے اور اسکے دعوے کو قبول کرنے والے تھے - یہ لوگ سب کے سب آنحضرت کی نبوت کے منکر تھے - اُنسے حضرت ابو بکر لڑے جسکی وجہ انکا مسلمانون کو ستانا تھا - چنانچہ عنقریب اسکا ذکر آتا ہے مسیلمہ کو یمامہ میں مارا

بصنعاء وانقضت جموعهم وهلك اكثرهم
والطائفة الأخرى ارتدوا عن الدين و
انكروا الشرائع وتركوا الصّلوة والزكوة
وغيرهما من امور الدّين وعادوا الى ما
كانوا عليه فى الجاهلية فلم يكن يسجد لله
فى بسيط الارض الا فى ثلثه مساجد
مكة ومسجد المدينة ومسجد القيس
فى البحرين فى قرية يقال له جواثا ففى
ذلك يقول الاعور الشنى يفتخر بذلك
ه والمسجد الثالث الشرقى كان لنا +
والمنبر وفصل القول فى الخطب + ايام
لا منبر للناس تعرفه + الا بطيبة والمحجوج
ذى الحجب +

وكان هؤلاء المتمسكون بدينهم محصورين
بجواثا الى ان فتح الله سبحانه على المسلمين
اليمامة - فقال بعضهم وهو رجل من
بنى بكر بن كلاب يستنجد ابا بكر الصديق رض
ه شعر الا ابلغ ابا بكر رسولا + وفتيان
المدينة اجمعينا + فهل لكم الى قوم كرام +
قعود فى جواثا محصرينا +
وكان دماءهم فى كل فج + دماء البدن
تغشى الناظرينا + توكلنا على الرحمن انا +

عنسی کو صنعا میں - انکی جماعتیں ٹوٹ گئیں -
اور اکثر مارے گئے - قسم اول کا دوسرا فریق یا
ٹولہ وہ ہے جو اسلام سے پھر گئے - اور نماز زکوۃ
وغیرہ امور دین چھوڑ کر اپنے پرانے کفر پر ہو گئے
اُسوقت تمام روئے زمین میں خدا کے لئے
سجدہ صرف تین مسجدوں میں (مسجد مکہ - مسجد
مدینہ - مسجد عبد القیس جو بحرین کے علاقہ میں جواثا
موضع میں تھی -) میں ہوتا تھا - (کہاں
ہیں اس فتوے کے لکھنے والے
یا پیش کرنے والے جو نی یر بوع
میں جمعہ وعیدین کے جاری رہنے
کے مدعی ہیں - اس عبارت کو
پڑھیں) اسی جواثا کی تعریف میں اعور شاعر
بطور فخر نظم میں کہتا ہے - ہمارے مشرقی مسجد
اور منبر - اور خطبے میں جبدن بجز مدینہ یا جواثا
کہیں ممبر نہ تھا - وہ لوگ دین اسلام پر چلنے
والے جواثا میں مرتدین کے محاصرہ اور قید میں
تھے - یہانتک کہ خدا تعالے نے مسلمانون کو یمامہ
کی فتح دی - ان ہی کے لئے ایک شاعر نے
حضرت ابو بکر سے مدد چاہتی ہوئی نظم میں
کہا ہے - لے پیغام پہنچانے والے ابو بکر اور مدینہ

وحدنا النصر للمتوکلین۔ والصنف الاخر هم الذین فرقوا بین الصلوۃ و الزکوۃ فاقروا بالصلوۃ وانکروا فرض الزکوۃ و وجوب ادائها الی الامام و هؤلاء علی الحقیقة اهل البغي انما لم یدعوا بهذا الاسم فی ذلك الزمان لدخولهم فی اغمار اهل الردة اضیف الاسم فی الجملة الی الردة اذ کانت لعظم الامرین واهمها وارخ قتال اهل البغی من زمن علی ابن ابی طالب اذ کانوا منفردین فی زمانه لم یختلطوا باهل الشرك وقد کان فی ضمن هؤلاء من کان یسمح بالزکوۃ ولا یمنعها الا ان رؤساء هم صدهم عن ذلك الرای وقبضوا علی ایدیهم کبنی یربوع فانهم کانوا قد جمعوا صدقاتهم واراد وا ان یبعثوا بها الی ابی بکر الصدیق فمنعهم مالك بن نویرة و فرقها فیهم۔

(شرح مسلم نووی صہ ۳ جلد ۱۔)

کے نوجوانوں کو پیام پہنچا دے کہ کیا آپ لوگ اپنی قوم کیطرف توجہ نہیں کرتے جو جوا تا کی محاصرہ میں ہیں اور جنکی خون کو چون مین اسیر ہے ہیں جیسے قربانیوں کے خون جو دیکھنے والوں کو دہانک لیں۔ ہمنے خدا پر بہروسہ کرنیوالوں کے لئے مدد کا وعدہ پایا ہے۔ (ناظرین! حضرت ابوبکرؓ کی چڑہائی ان ظالموں پر اس ظلم کے سبب سے تھی) قسم دوم وہ لوگ تھے۔ جو نماز کے تو زبان سے مقر تھے (یہ نہیں فرمایا کہ وہ پڑہتے بھی تھے) مگر زکوۃ کی فرضیت اور خلیفہ وقت کے حضور میں اُسکے ادا کے منکر تھے۔ اور یہ لوگ درحقیقت باغی تھے۔ (جنپر عین دار الاسلام میں بھی چڑہائی جائز ہے۔ جیسا کہ خلفاء راشدین میں سے حضرت علیؓ نے کی تھی) اسوقت وہ باغی کے نام سے اسلئے نہیں پکارے گئے۔ کہ وہ مرتدون کی جماعتوں میں شامل تھے۔ لہذا۔ انکو مرتدوں کی طرف منسوب کیا گیا کیونکہ زکوۃ جس سے وہ منکر ہوکر مرتد ہوئے احکام اسلام سے بڑا بھاری حکم تھا۔ اور مرتدوں کی تاریخ حضرت علیؓ مرتضے کے وقت سے شروع ہوئی ہے۔ اُن مرتدوں میں بعض ایسے بھی تھے جو زکوۃ دینے میں خوش تھے۔ مگر اُنکے رئیس اُنکو منع کرتے جیسے بنی یربوع کہ

اُنہوں نے زکوۃ اکٹھی کرکے حضرت ابوبکر صدیق کے پاس بھیجنی چاہی تھی مگر مالک بن نویرہ نے اس سے روک دیا۔ اور اُن ہی لوگوں میں اسکو متفرق کر دیا"

اس تاریخی شہادت کو پڑھ کر ناظرین یقین کرینگے کہ جو تیسری بات اس فتوے میں لکھی ہے وہ بھی غلط ہے۔ جمعہ و عیدین کا ان دیار میں نام و نشان نہ تھا۔ مرتدوں کا زور تھا جو کسی نیکی کرنے والے کو بھی نیکی نہ کرنے دیتے۔ اسیوجہ سے وہ ملک دارالحرب قرار دیا گیا۔ اور اگر کہیں بالفرض جمعہ عیدین کا نام تھا تو وہاں بغاوت کی وجہ سے چڑھائی ہوئی جو باغی مسلمان اور اسکے ملک دارالاسلام پر بھی ہو سکتی ہے۔

چوتھی غلطی اور دھوکہ میں ڈالنے والی بات اس فتوے میں یہ کہی ہے کہ سماحہ اور اُسکے گرد و نواح کو اور فدک و خیبر کو اور وادی القریٰ کو دارالحرب کا حکم دیا باوجودیکہ وہاں کے بعض لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ اور تجار اہل اسلام وہاں جاتے تھے۔

اسمیں غلطی و مغالطہ یعنے دھوکہ دہی یہ ہے کہ صرف وہاں بعض لوگوں کا مسلمان ہو جانا ذکر کرکے یہ جتایا ہے۔ کہ وہاں بعض احکام اسلام جمعہ جماعات وغیرہ جاری تھے۔ جو محض غلط و بے اصل بات ہے سماحہ خیبر یا فدک یا وادی القریٰ میں مسجد کہاں تھی۔ اور نماز کون پڑھتا تھا بعض لوگوں کا وہاں خفیہ یا علانیہ مسلمان ہو جانا یا تجار اہل اسلام کا وہاں تجارت کے لئے جانا یہ نہیں ثابت کرتا کہ وہاں کے موذی سرکش قوم وہاں کے ناتوان مسلمانوں کو نماز وغیرہ شعائر مذہبی ادا کرنے سے نہ روکتی تھی۔ اور مسلمان وہاں مسجد بناتے اور اذانیں کہتے تھے۔ وہاں کا یہ حال ہوتا تو آنحضرت اور اُنکے خلفاء ان بلاد پر ہرگز چڑھائی نہ کرتے۔ چنانچہ آپکے قول و ہدایات منقولہ ص ۳۰۶ و ۳۰۷ اسپر شاہد ناطق ہیں۔ کسی جگہ صرف بعض لوگوں کا مسلمان ہو جانا اور اسطور سے وہاں اسلام کا پایا جانا اس جگہ کو کسی کے نزدیک دارالاسلام نہیں بناتا۔ بلکہ بلا روک و انکار متسلطین اس دیار کے وہاں شعائر اسلام کا (گو بعض شعار ہی ہوں جیسے اذان و نماز نہ کل) پایا جانا اس جگہ کو دارالاسلام بناتا ہے۔ چنانچہ سابقاً بتفصیل ثابت کیا گیا۔ **یہی وجہ ہے۔ کہ**

فقہاء رحمہم اللہ نے دار الحرب میں صرف مسلمانوں کے موجود ہونے کا کوئی لحاظ و اعتبار نہیں کیا۔ اور دار الحرب پر چڑہائی کرنے کے احکام میں لکھا ہے۔ کہ اگر دار الحرب میں مسلمان ہوں۔ اور ان ہی کو کفار سامنے کردیں تو مسلمان ان پر تیر اندازی سے نہ روکیں۔ ہدایہ میں ہے

ولا باس برمیہم وان کان فیہم مسلم او اسیر او تاجر لان فی الرمی دفع الضرر العام بالذب عن بیضۃ الاسلام و قتل الاسیر والتاجر ضرر خاص ولانہ قلما یخلو حصن من مسلم فلو امتنع باعتبارہ لانسد بابہ وان تترسوا بصبیان المسلمین او بالاساری لم یکفوا عن رمیہم لما بینا۔ ویقصدون بالرمی الکفار (ہدایہ ص۵۴۲ جلد۱)

حربیوں پر تیر اندازی کا کوئی مضایقہ نہیں۔ اگرچہ ان میں کوئی مسلمان یا قیدی یا سوداگر ہو (جو مسلمانوں سے لڑنا نہ چاہتا ہو۔) یہ حکم اسلئے ہے کہ تیر اندازی میں عام ضرر کا جماعت اسلام سے دفع کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اگر اس سے کوئی قیدی یا سوداگر یا مسلمان جو لڑنا نہ چاہتا تھا۔ ہلاک ہو جائے تو وہ ضرر خاص ہے۔ (جس کی رعائت ضرر عام کے مقابلہ میں جائز نہیں) یہ بھی اُس کی ایک عقلی وجہ ہے کہ وجود مسلمان سے تو کوئی قلعہ مخالفین کا خالی نہیں ہوتا۔ کوئی نوکر ہی اسمیں ہوتا ہے۔ کوئی قلی ہی ہوتا ہے۔) پس اگر اس مسلمان کے لحاظ سے تیر اندازی روکی جائے تو دار الحرب پر چڑہائی ہی بند ہو جائے۔ اور اگر وہ حربی لوگ مسلمانوں کے بچوں یا مسلمان قیدیوں کو اپنی سپر بنالیں یعنے اپنے آگے کھڑے کرلیں۔ تو بھی مسلمان ان پر تیر اندازی کرنے سے نہ رکیں۔ اور اپنی نیت یہ کرلیں کہ ہم کافرون حربیوں کو مارنا چاہتے ہیں جسکی وجہ ابھی ہم بیان کر چکے ہیں"

یہ **قول فقہاء** جو اکثر کتب فقہ میں پایا جاتا ہے۔ صاف و صریح شہادت دیتا ہے کہ دار الحرب میں مسلمانوں کا وجود اسکو دار الاسلام نہیں بناتا۔ بلکہ اُنکا ادائے شعائر مذہب میں آزاد ہونا دار الاسلام بناتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بالمقابلہ بطور معارضہ خیبر و فدک وغیرہ کو دار الحرب بنانے کے لئے صرف وجود اسلام و مسلمانوں کو پیش کرنا غلطی

ومغالطہ (دھوکہ دہی) ہے۔

اسمقام میں تعجب وافسوس کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے کہ اس عبارت فتاوائے عزیزیہ کو مدرس صاحب نے جلسہ سرسری مذاکرہ میں پیش کیا۔ اور اسکی تائید میں ہدایہ کی عبارت منقولہ بالا کو پڑھا اور اسمیں لفظ تترسّوا کو جو تشدید راء و تخفیف سین مضموم سے ہے اور اسکے معنے سپر بنانے کے ہیں تترسّوا بہ تخفیف راء و تشدید سین مفتوح پڑھا۔ (حالانکہ وہ عربی کے مدرس وشاعر وادیب کہلاتے ہیں) تو اسکے جواب میں اسیوقت یہی کہا گیا۔ کہ دار الحرب میں وجود اسلام ومسلمانان اسکو دار الاسلام نہیں بنا دیتا۔ بلکہ دار الحرب میں مسلمانوں کا آزادی مذہبی سے رہنا اور اپنے اسلام کے شعائر ادا کرنے میں خود مختار ہونا اسکو دار الاسلام بناتا ہے۔ لہذا یہ عبارت آپکے دعوے کی مثبت اور مؤید اور ہمارے دعوے کی مخالف نہیں ہے۔ مگر پھر بھی مولوی صاحب اس امر کو نہ سمجھے اور اخبار چودھویں صدی کے ذریعہ وہی بولی بولنے لگ گئے۔ اب دیکھئے اس تحریری جواب سے مطمئن ہوتے ہیں یا نہیں۔

ان چاروں باتوں کے غلط ثابت ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فتوائے وضعی و غلط ہے اور یہ اس لائق نہیں کہ حضرت مولینا شاہ عبد العزیز صاحب کی طرف منسوب کیا جائے یہ کسی بے علم اور فقہ وحدیث سے ناواقف کی من گھڑت ہے۔

اسوقت کے دوسرے شاہ عبد العزیز حضرت مولینا وشیخنا وشیخ الکل مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سے خاکسار نے اس فتوائے کا حال دریافت کیا تو آپ نے بھی اسکو غلط قرار دیا۔ اور اپنے شیخ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کے نواسہ اور شاگرد وخلیفہ مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب مرحوم کی رائے کو بھی اس فتوائے کے خلاف بیان کیا۔ چنانچہ اس مضمون کا ایک خط دستخطی مولوی محمد صاحب مصحح مطبع انصاری دہلی خاکسار کے پاس پہنچا ہے۔

تدریس صاحب کے دلائل ومستندات کا جو اس جلسہ سرسری مذاکرہ میں انہوں نے

پیش کی تھی) جواب تمام ہوا۔ جس سے ثابت ہوا کہ مدرس صاحب کے دلائل ناتمام ہیں۔ اور اُنکے ہاتھ میں اپنے مذہب حنفی کی کوئی دلیل نہیں جو ہمارے جوابات کا معارضہ کرے۔ بلکہ حنفی مذہب ہمارے ساتھ ہے۔ اور ہمارے جوابات کا مؤید و مصدق ہے جیسے نصوص قرآنیہ اور روایات حدیثیہ ہماری مؤید ہیں۔

شائد مدرس صاحب مولوی **عبد الحی صاحب** کے فتوے کو جو اُنکے مجموعہ فتاوے کے جلد اوّل صـ۳۱ میں درج ہے یا **نواب صاحب** بھوپال کے فتوے کو جو اُنکے رسالہ ناسخ و منسوخ کے اخیر میں شائع ہوا ہے اپنے دلائل سمجھتے ہوں۔ اور ان حضرات کے معتقدین کو وہ فتوے دکھا کر اپنے خیال کی طرف بلاتے ہوں۔ لہذا ضروری معلوم ہوا کہ ان فتوؤں کا جواب بھی مولوی صاحب کو دیا جاوے۔ گو اس مجلس سرسری مذاکرہ میں اُنہوں نے ان فتوون کا ذکر نہیں کیا۔

پس واضح ہو کہ **مولوی عبد الحی صاحب** کے فتوے کا جواب اُن ہی کا دوسرا فتوے ہے۔ جس کی عبارت بصفحہ ۳۱۹ نقل ہو چکی ہے۔ اور **نواب صاحب** بھوپال کا فتوے بعینہ فتاوے عزیزیہ کی نقل ہے۔

لہذا جو **جواب** اس فتاوے عزیزیہ کا دیا گیا ہے۔ وہی **جواب** اس فتوے نواب صاحب کا جواب ہے۔ علاوہ برآں نواب صاحب کا یہ عمل کہ اُنہوں نے اس ملک سے ہجرت نہ کی۔ (باوجودیکہ وہ ایک ریاست کے امیر و صاحب استطاعت تھے) بلکہ وہ عرب میں گئے اور وہاں رہے۔ پھر اسی دار الحرب میں آکر دنیا سے رخصت ہوئے۔ بہی اس فتوے کا جواب ہے۔

ایک بات لایق ذکر اسمقام میں یہ ہے کہ مدرس صاحب نے اس مجلس سرسری مذاکرہ میں ہندوستان کا دار الحرب ہونا بیان کیا۔ اور اُسکے ثبوت میں عبارت جامع الرموز اور فتاوے عزیزیہ کو پیش کیا۔ تو حاضرین مجلس میں سے **ایک مولوی صاحب** باوجود وکیل ہونے کے نماز جمعہ کے بڑے ملتزم تھے۔ اور ہوقت تک ختنے الوسع اُنہوں نے کبھی نماز جمعہ ترک نہ کی تھی

بول اٹھے کہ جس حالت میں یہ ملک دار الحرب تو پھر اسمیں نماز جمعہ کا بکھیڑا کیا ضرورت ہے۔ اُنکی خدمت میں اسوقت بھی کچھ ناصحانہ عرض کیا تھا۔ اور اب بھی محض نصیحتاً (نہ بطور اعتراض یا مباحثہ) کہا جاتا ہے۔ کہ اگر مان لیا جائے اور بطور فرض محال فرض کر لیا جائے کہ یہ ملک دار الحرب ہے تو بھی ہمیں نماز جمعہ کا ادا کرنا ہمارے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ جس پر دو دلیلیں شاہد ہیں۔

دلیل اوّل ۔ (جو ایک محقق و مبصر کے لئے ہے۔) یہ ہے کہ جمعہ کی فرضیت قطعی ہے (جسپر قرآن وحدیث واجماع امت اور خود مذہب حنفی کا قرار داد و تسلیم دلیل ہے) اور جمعہ کے لئے یہ شرط کہ اُسکے ادا کرنے کی جگہ ایک شہر ہو اور اُسکا بادشاہ مسلمان ہو جس کے حکم یا اُسکے نائب کے حکم سے مسلمان جمعہ ادا کریں۔ ایک ظنی شرط ہے جس کے ظنی ہونے پر اتفاق کل ہے۔ پھر ایک قطعی امر کو ایک ظنی شرط کی فوت ہونے سے ترک کرنا کیونکر جائز ہے اور حنفی مذہب میں اُسکی کب اجازت دیتا ہے۔ یہ امر اسوقت عرض کیا گیا تھا۔ اسمقام میں اسکی کسیقدر تفصیل کیجاتی ہے۔ کہ فرضیت کا جمعہ کا قطعی ہونا تو حنفی مذہب میں مسلم ہے اسلئے اسمقام میں اُسکے دلایل قرآن وحدیث سے آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہاں یہ صرف دو امر کا آپ کو صرف جتا دینا (نہ اُنپر بحث کرنا) منظور ہے۔ **اوّل** یہ کہ وہ شرط حنفی مذہب کی شہادت سے کیوں ظنی ہے **دوم** یہ کہ حنفی مذہب میں امر ظنی کی مقابلہ میں قطعی حکم قرآن کو ترک کرنے کا عدم جواز کہاں مذکور ہے۔ **سو امر اوّل** کی نسبت گذارش ہے کہ ادائے جمعہ کے لئے مصر یعنے شہر یا بادشاہ اسلام کا ضروری ہونا۔ اور اوسکے اذن سے جمعہ کا ادا کرنا نہ قرآن میں ہے۔ نہ کسی متواتر یا مشہور حدیث میں پایا جاتا ہے بلکہ شہر کے ضروری ہونے پر ایک حدیث پیش کیجاتی ہے۔ جو خبر واحد کہلاتی ہے۔ اور وہ صاحب ہدایہ نے نقل کی ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ جمعہ عید بقرہ عید بجز مصر جامع کے نہیں ہوتی

ولا یجوز فی القری لقولہ علیہ السلام	اور پھر کہا ہے۔ کہ مصر کی تعریف میں امام

لاجمعہ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع المصر الجامع کل مواضع لہا امیر وقاضی ینفذ الاحکام ویقیم الحدود - وھذا عن ابی یوسف رح وعنہ انہم اذا اجتمعوا فی اکبر مساجدھم لم یسعہم والاولی اختیار الکرخی والثانی اختیار البلخی × × ولا یجوز اقامتہا الا للسلطان اولمن امرہ السلطان لانہا تقام بجمع عظیم وقد تقع المنازعۃ فی التقدم والتقدیم وقد تقع فی غیرہ فلابد منہا تتمیما لامرھا ہدایہ ص۱۴۵ ج ۱

ابو یوسف سے دو قول منقول ہیں ایک یہ کہ مصر وہ ہے جسمیں قاضی وامام ہو - دوسرا یہ کہ اسمیں مسلمان اسقدر ہوں جو ایک بڑی سے بڑی مسجد میں نہ سما سکیں - پہلا قول امام کرخی نے پسند کیا ہے - دوسرا قول امام بلخی نے اور بادشاہ کے ضروری ہونے پر ایک عقلی پیش کیجاتی ہے جو صاحب ہدایہ کو سوجھی ہے - امام مذہب نے نہیں فرمائی - وہ یہ ہے کہ جمعہ ایک بڑی جماعت سے قائم کیا جاتا ہے اور جہاں بڑی جماعت ہو وہاں کبھی یہ جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے کہ امام کسکو بنایا جائے یا اور کوئی جھگڑا - سو جھگڑے کے تصفیہ کے لئے بادشاہ اسلام کا یا جو اسکا نائب ہو نا ضروری ہے کہ جمعہ کا کام پورا ہو -

یہ عقلی دلیل تو ایسی ظنی اور ضعیف ہے کہ خود محقق حنفیہ نے اسکو تسلیم نہیں کیا

وما فی الہدایۃ انہا تقام بجماعۃ فعسی ان تقع المنازعۃ فی التقدیم والتقدم لان کل انسان یطلب لنفسہ رتبۃ فلابد من امر السلطان لیدفع ھذہ المنازعۃ فہذا رائی لا یثبت الاشتراط لاطلاق نصوص وجوب الجمعۃ ثم ھذہ المنازعۃ تندفع باجماع المسلمین علی تقدیم واحد کما

بحر العلوم کتاب ارکان اربعہ میں فرماتے ہیں کہ جو ہدایہ میں ہے کہ جمعہ جماعت سے قائم کیا جاتا ہے - اور جماعت کا امام بنانے میں جھگڑا پیدا ہوتا ہے - اس جھگڑے کے دفعہ کرنے کے لئے امام کا ہونا ضروری ہے - یہ ایک رائے ہے جس سے شرط ثابت نہیں ہوتی - کیونکہ وجوب جمعہ کے نصوص

ان رتبۃ السلطان یطلبھا کل احد من الناس فعسی ان تقع المنازعۃ فلا یصح نصب السلطان لکن تندفع ھذہ المنازعۃ باجماع المسلمین علی تقدیم واحد فکذا ھذا وکما فی جماعۃ الصلوٰۃ عسی ان تقع المنازعۃ فی تقدیم رجل لکن تندفع باجماع المصلین فکذا فی الجمعۃ ثم الصحابۃ اقاموا الجمعۃ فی زمان فتنۃ بلوی امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ وکان ھو اماماً حقاً محصوراً ولم یعلم انھم طلبوا الاذن فی اقامۃ الجمعۃ بل الظاھر عدم الاذن لان ھؤلاء الاشقیاء من اصحاب الشر لم یرخصوا ذلک فعلم ان اقامۃ الجمعۃ غیر مشروطۃ عندھم بالاذن۔ (ارکان اربعہ)

(آیات قرآن) اس شرط سے مطلق یعنی بے قید ہیں بچہرہ اس اطلاق کو کیونکر مقید کر سکتی ہے اور یہ جھگڑا تو مسلمانوں کے اتفاق سے دور ہو سکتا ہے جیسا کہ خود بادشاہ کو مقرر کرنا اس اتفاق مسلمانوں سے ہوتا ہے اور جیسا کہ پانچوقتی نماز کی امام بنانیکا جھگڑا مسلمانوں کے اتفاق سے دور ہو سکتا ہے پھر دیکھو کہ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان پر بلوے ہونے کے زمانہ میں جبکہ آپ بلوائیوں کے محاصرہ میں بھی جمعہ ادا کیا۔ اور اوس امام برحق سے ان کا اذن طلب کرنا ثابت نہیں ہے۔ بلکہ اُنکے ظاہر حال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اذن نہیں لیا گیا۔ وہ بدبخت بلوائی کب اذن لینے کی اجازت دیتے تھے۔

ایسی ہی وہ نقلی دلیل حدیث ظنی وضعیف ہے۔ ایک اُسکے الفاظ میں ضعف واختلاف ہے۔ دوسرا اُسکے معنے میں ضعف واختلاف ہے۔

لفظی ضعف واختلاف یہ ہے کہ صاحب ہدایہ اور عینی تو اس حدیث کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول قرار دیتے ہیں۔ اور محدث ومحقق جنہیں حنفی بھی ہیں اسکا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے صحیح وثابت ہونا نہیں مانتے۔

امام زیلعی حنفی تخریج ہدایہ میں فرمایا ہے۔ کہ یہ حدیث جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

قلت غریب مرفوعا وانما وجدناہ موقوفا عن علی رض (تخریج زیلعی)

کی طرف منسوب ہوئی ہے۔ اُسکی شاذ (یعنے ایک راوی کی نقل اوروں کے برخلاف) ہے ہمنے تو یہ حضرت علیؓ کا اپنا قول پایا ہے۔

حافظ ابن حجر نے درایہ تخریج ہدایہ میں کہا ہے۔ کہ امام بیہقی نے فرمایا ہے۔ کہ اس

قال البیہقی لا یروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذالک شئ (درایۃ تخریج ہدایہ صـ۱۳۱)

مضمون میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔ اور آپنے تخریج مسند رافعی میں کہا ہے کہ اسحدیث کو امام احمد نے ضعیف کہا ہے اور امام بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن والآثار

حدیث لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر ضعفہ احمد (تلخیص الحبیر بتخریج مسند الرافعی الکبیر۔)

قال الشافعی رح فی القدیم وقال بعض الناس لا یجوز الجمعۃ الا فی مصر جامع وذکر فیہ شیئا ضعیفا وقال احمد انما یروی ھذا عن علی رض فاما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہ لا یروی عنہ فی ذالک شئ۔ (معرفۃ السنن للبیہقی)

میں کہا ہے کہ امام شافعی رح نے فرمایا ہے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جمعہ بجز مصر جامع جائز نہیں۔ اور اسباب میں ایسی روایت ذکر کی ہے جو ضعیف ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا ہے۔ یہ قول حضرت علیؓ سے مروی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اسباب میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔ یہ اختلاف آئمہ کا (جسمیں بعض ائمہ حنفی بھی داخل ہیں) اسحدیث کے الفاظ کا ضعیف اور ظنی ہونا ظاہر کرتا ہے۔

اور جو اس حدیث میں معنوی ضعف و اختلاف ہے وہ خود صاحب ہدایہ کی کلام منقولہ سابق میں موجود ہے۔ صاحب ہدایہ نے خود بیان کیا ہے۔ کہ مصر کی تعریف میں کرخی نے کچھ کہا ہے۔ بلخی نے کچھ اور۔ جو اسوقت کے اکثر گاؤں و دیہات پر صادق آتا ہے۔

ایسا ہی امام شافعیؒ جیسے امام جلیل الشان نے مصر کی تعریف میں اشتباہ ظاہر کیا ہے چنانچہ معرفۃ السنن میں اُسنے منقول

قال الشافعی ولا نعلمہ حد للمصر الجامع (معرفۃ السنن بیہقی)

ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ مصر جامع کی کیا تعریف ہے۔

یہ اشتباہ و اختلاف اس حدیث کے معنے کو ظنی و ضعیف قرار دیتا ہے۔ امر اوّل یعنے اس حدیث کا لفظاً و معنے ظنی اور ضعیف ہونا ثابت ہوا۔ اب امر دوم یعنے ظنی حدیث کا قطعی حکم قرآن کے مقابلہ میں حنفی مذہب میں ناقابل عمل و اعتبار ہونا گذارش کیا جاتا ہے۔

امر دوم

اصول فقہ مذہب حنفی کی چھوٹی کتابیں اصول شاشی و منار و نور الانوار وغیرہ ہیں۔ اور بڑی کتابیں توضیح تلویح مسلم الثبوت وغیرہ ہیں ان کتابوں میں جس کتاب میں چاہو یہ مسئلہ دیکھ لو کہ قطعی حکم قرآن کے مقابلہ میں ظنی حدیث خبر واحد پر عمل جائز نہیں۔ **نور الانوار** میں ہے کہ

ونسخ وصف فی الحکم بان ینسخ عموم واطلاقه ویبقی اصله وذلك مثل الزیادة علی النص فانها نسخ عندنا ولا یجوز عندنا الا بالخبر المتواتر والمشهور ۔

(نور الانوار)

حنفی مذہب میں خبر واحد سے قرآن کے اطلاق یا عموم کی تقیید یا تخصیص جائز نہیں۔ اور یہ نص پر از خود زیادتی کرنے کی مانند ہے۔ اور یہ اطلاق قرآن کو منسوخ کرتا ہے۔ جو بخبر حدیث متواتر یا مشہور کے جائز نہیں۔

وانما یرد خبر الواحد فی معارضة الکتاب لان الکتاب مقدم لکونه قطعیا ۔

(تلویح ص ۲۲۹ و مثله ص ۲۳۸)

تلویح میں ہے کہ کتاب اللہ کے مقابلہ میں خبر واحد رد کیجاتی ہے۔ کیونکہ قرآن قطعی ہونے کی وجہ سے مقدم ہے۔

ولا یجوز عند الحنفیة تخصیص الکتاب بخبر الواحد مالم یخص بقطعی ۔

(مسلم الثبوت)

اور مسلم میں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک عموم کتاب کی تخصیص خبر واحد سے جائز نہیں۔ جب تک کہ کسی قطعی سے اس کی تخصیص نہ ہو چکی ہو۔

ہماری اس دلیل اوّل کو (جو دلائل اصولیہ و اقوال فقہیہ سے مؤید ہے) سُنکر غالباً

وکیل صاحب کہیں گے کہ دلائل میں نظر کرنا تو محققین یا محدثین کا کام ہے ہم تو مقلد ہیں۔ ہم کو تو یہ دلیل بتانی چاہیئے کہ فلان فقیہہ نے یہ کہا یا فلان کتاب فقہ میں لکھا ہے۔ کہ ایسی جگہ جہاں کا حاکم بادشاہ یا اسکا نائب مسلمان نہ ہو جمعہ ہو سکتا ہے یا ادا کرنا چاہیئے۔ لہذا وکیل صاحب کے اس عذر کی نظر سے دوسری دلیل پیش کیجاتی ہے۔

دوسری دلیل جو مقلدین مذہب حنفی کیلئے تسلی بخش ہے

ردّ المختار میں جامع الفصولین سے نقل کیا ہے کہ جن شہروں میں کفار کیطرف سے مسلمان حاکم مقرر ہو انمیں جمعہ وعیدین قایم کرنا اور قاضی مقرر کرنا اور مسلمان بیواؤں کا نکاح کر دینا جائز ہے۔ کیونکہ وہاں مسلمانوں کی حکومت وغلبہ ہے۔ رہی (اعلے حکام) کفار کی اطاعت سو ایک معاہدہ کی وجہ سے یا دھوکہ دہی سے ہے۔ اور جہاں کافر ہی حاکم ہو۔ (یعنے مسلمان حاکم نہ ہو جیسا کہ پہلی صورت میں بیان ہوا ہے) وہاں خود مسلمانوں کو جمعہ قائم کرنا جائز ہے۔ وہاں مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی مقرر ہو سکتا۔ اور مسلمانوں پر ایسے والی (یعنے قاضی یا امام) کا مقرر کرنا واجب ہے۔ اور اس سے پہلے ہم باب الجمعہ میں فتاوے بزازیہ سے

ذکر فی اول جامع الفصولین۔ کل مصر فیہ وال مسلم من جھۃ الکفار یجوز فیہا اقامۃ الجمع والاعیاد وتقلید القضاۃ وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیہم واما طاعۃ الکفر فی موادعۃ او مخادعۃ اما فی بلاد علیہا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیہم طلب وال مسلم ص۵۱ وقد منا نحوہ فی باب الجمعۃ عن البزازیہ (ردالمختار ص۲۵۳ جلد)

ایسا ہی نقل کر چکے ہیں۔

اور ردّ المختار کے باب الجمعہ میں ہے۔ کہ معراج الدرایہ میں کتاب مبسوط سے نقل کیا ہے کہ وہ شہر جو کفار کے ہاتھ میں

فی معراج الدرایۃ عن المبسوط البلاد التی

فی ایدی الکفار بلاد الاسلام لا بلاد الحرب لانہم لم یظہروا فیہا حکم الکفر بل القضاۃ والولاۃ مسلمون یطیعونہم عن ضرورۃ او بدونہا وکل مصر فیہ وال من جہتہم یجوز لہ اقامۃ الجمع والاعیاد والحد وتقلید القضاۃ لاستیلاء المسلم علیہم فلو الولاۃ کفارا یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیہم ان یلتمسوا والیا مسلما انتہی - (ردالمحتار باب الجمعہ) ص ۵۴۱

واما بلاد علیہا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین فیجب علیہم ان یلتمسوا والیا مسلما منہم اھ وعزاہ مسکین فی شرحہ الی الاصل ونحوہ فی جامع الفصولین وفی الفتح واذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منہ کما فی بعض بلاد المسلمین غلب علیہم الکفار کقرطبۃ الآن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منہم یجعلونہ والیا فیولی قاضیا ویکون ھو الذی یقضی بینہم وکذا ینصبوا اماما

ہیں اسلامی شہر ہیں نہ دار الحرب کیونکہ انہوں نے انمیں احکام کفر (یعنے بالکلیہ) جاری نہیں کئے گو بلکہ اُن شہروں کے قاضی اور حاکم مسلمان ہیں وہ حکام کفار کی اطاعت ضرورۃ یا بلا ضرورت کرتے ہیں - اور جو شہر ایسا ہو کہ اسمیں کافروں کی طرف سے مسلمان حاکم ہو - اُسکو اسمیں جمعہ وعیدین کی نماز قائم کرنا جائز ہے اور اگر اسکا حاکم کافر ہو مسلمان نہ ہو تو بھی مسلمانوں کو جمعہ قایم کرنا جائز ہے - اور قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے مقرر ہو سکتا ہے -

اور ردالمحتار کی کتاب القضا میں فتاوے تاتارخانیہ سے نقل کیا ہے کہ جن شہروں میں (صرف) کافر حاکم ہوں انمیں بھی مسلمانوں کو جمعہ قایم کرنا جائز ہے - اور قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے مقرر ہو سکتا ہے - مُلّا مسکین نے اپنی شرح میں اسبات کو اصل کی طرف منسوب کیا ہے - ایسا ہی جامع الفصولین میں ہے - اور فتح القدیر میں ہے جب کسی مقام میں اسلام کا بادشاہ نہ ہو - اور نہ کوئی اور شخص لایق تقلید قضا ہو (جیسا کہ ہو قت قرطبہ کا حال ہے)

يصلى بهم الجمعة اه وهذا هو الذى
تطمئن النفس اليه فليعتمد نهر انتهى
درالمختار ص ۳۰۸ كتاب القضاء

تو وہان کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ متفق ہوکر
ایک شخص کو اپنا (دینی) سردار بنالیں۔ جو انکے
لئے ایک قاضی مقرر کردے۔ اور وہ اُسکے

باہمی خصومات کا فیصلہ کیا کرے۔ ایسا ہی وہ کسی کو پیش امام مقرر کرلیں جو انکو نماز جمعہ پڑہایا
کرے۔ یہ ایسا حکم ہے جسکی طرف نفس کو اطمینان و تسلی حاصل ہوتی ہے۔ اور اسپر اعتماد کرنا
چاہیئے۔ ایسا ہی نہر الفایق میں ہے۔ اور فتاوے بزازیہ میں لکھا ہے۔ کہ امام سید
(ناصر الدین صاحب کتاب منشور مراد ہیں چنانچہ فصول عمادیہ سے معلوم ہوتا ہے) فرمایا ہے

قال السيد الامام والبلاد التى فى ايدى
الكفار اليوم لاشك انها بلاد الاسلام
بعد ان لم يظهروا فيها احكام الكفر بل
القضاة مسلمون واما البلاد التى عليها
والى مسلم من جهتهم فيجوز بها اقامة
الجمعة والاعياد واخذ الخراج وتقليد
القضاة وتزويج الايامى اما البلاد التى
عليها ولاة كفار فيجوز فيها اقامة الجمعة
والاعياد والقاضى قاضى بتراضى المسلمين
(فتاوے بزازیہ)
ومثله فى الفصول العمادية نقلا عن الملتقط

کہ جو بلاد اسوقت کفار کے ہاتھ ہیں (جیسے
خوارزم جو اسوقت تاتار کے ماتحت تھی)
بے شک وہ اسوقت اسلام کے شہر ہیں کافرون
نے ان میں (جملہ) احکام کفر جاری نہیں کئے
بلکہ اسکے حاکم و جج مسلمان ہیں۔ اور جن شہرون
پر کافرون کیطرف سے مسلمان حاکم مقرر ہیں
انمیں جمعہ وعیدین قائم کرنا۔ اور قاضی مقرر
کرنے وغیرہ وغیرہ جائز ہیں۔ رہے وہ شہر
جنپر کفار ہی حاکم ہیں۔ سو انمیں بھی جمعہ قائم
کرنا جائز ہے۔ اور قاضی دینے جو جمعہ پڑہاوے
مسلمانون کی رضامندی سے مقرر ہوسکتا ہے

ایسا ہی فصول عمادیہ میں ملتقط سے نقل کیا ہے۔

یہ اقوال صاحب معراج الدرایہ۔ و صاحب مبسوط و صاحب فتاوے
تاتارخانیہ و ملا مسکین و صاحب فتح القدیر و صاحب نہر الفایق و صاحب منشور

سید امام وصاحب ملتقط وصاحب فتاوے بزازیہ وصاحب ردالمختار صاف ناطق ہیں کہ جس ملک یا شہر کا بادشاہ مسلمان نہ ہو کافر ہو اور اس شہر کا حاکم اُسکا نائب بھی مسلمان نہ ہو۔ وہاں کے مسلمان ہی کسی کو قاضی یا امام مقرر کرلیں اور نماز جمعہ ادا کریں۔ پھر صاحب بزازیہ وغیرہ نے تو اس قاضی کا کام جمعہ قایم کرنا بتایا ہے۔ اور صاحب ردالمختار نے بہ نقل فتح القدیر قاضی کا کام فصل خصومات بتایا ہے۔ اور امام کا کام صرف جمعہ کی نماز پڑھانا پھر اس تفصیل کو باعث اطمینان نفس اور لائق اعتماد قرار دیا ہے۔ جس سے صاف اور علانیہ طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ جمعہ قایم کرنے کے لئے ایسے قاضی کی جو فصل خصومات کرے ضرورت نہیں۔ ایسے قاضی کی ضرورت مسلمانون کے اور معاملات وتصفیہ طلب امور کے لئے ہے اور اگر وہی قاضی مسلمانوں کو جمعہ بھی پڑھاوے تو وہ اسبات کا بھی اہل ہے۔ اس نظر سے فتاوے بزازیہ وغیرہ میں اسی قاضی کا کام جمعہ پڑھانا قرار دیا ہے۔ بہر حال ایسے مواضع میں جہان کا بادشاہ اور اُسکا نائب مسلمان نہ ہو۔ فقہاء نے جمعہ کو مسلمانوں کے ذمہ سے ساقط نہیں کیا بلکہ بالاتفاق یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اتفاق سے کسی کو قاضی یا امام بنا کر جمعہ ادا کریں۔ اور اس اعظم ترین شعائر اسلام کو ہاتھ سے نہ دیں۔

مگر غالبًا آپ کو فرضیت جمعہ سے سبکدوش کرنے والے مدرس صاحب اس اتفاقی حکم فقہاء کی پیروی سے بھی آپ کو روکینگے۔ اور ان کی تقلید آپ سے چھوڑا کر اپنا مقلد بنانے کی غرض سے کہیں گے۔ (جیسا کہ سراج الاخبار جہلم ۱۵ جولائی ۱۸۹۵ء میں اُنہون نے کہا ہے۔ کہ "اب سوچنا چاہیئے کہ قاضی کون ہوتا ہے؟ پس قاضی وہ عالم ہوتا ہے جسکو شرعی اختیارات دیوانی۔ اور فوجداری ہوں۔ جیسے آجکل ڈپٹی کمشنر کو قانونی اختیارات ہوتے ہیں۔ اور جو فیصلہ انکا اجلاس سے حسب مراد شریعت صادر ہو وہ فریقین مقدمہ کو بلا حجت منظور ہو۔ ردّ و قدح کا کسی کو اختیار نہ ہو۔ مگر جان لینا چاہیئے کہ مسلمانوں سے ایسا تب ہوسکتا ہے کہ بادشاہ وقت نے انکو ایسا کرنے کا اختیار دیا ہو۔ قانون بادشاہی انکو مانع نہ ہو۔ برخلاف اسکے مسلمانان ہند کو

ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ ایسا کرنے پر قانون خبر لیتا ہے"۔ تو آپ اس کے جواب میں مدرس صاحب کو کہیں کہ ہم حنفی مذہب کے مقلد ہیں۔ اور آپ بھی حنفی مذہب کے مقلد کہلاتے ہیں۔ لہذا آپ کا فرض ہے کہ اس لفظ قاضی سے معنے جج و مجسٹریٹ یا ڈپٹی کمشنر مراد ہونے پر اپنے مذہب کے آئمہ فقہار کے اقوال سے شہادت پیش کریں۔ جنکی تقلید کو آپ اور ہم لازم سمجھے ہوئے ہیں۔ اپنے فہم و اجتہاد سے لفظ قاضی کے یہ معنے نہ گھڑیں۔ اور ہمکو آئمہ مذہب کی تقلید سے ہٹا کر اپنا مقلد نہ بناوین۔ پس صاف بتادیں کہ کس فقیہ یا امام نے لکھا ہے کہ قاضی سے اُنکی مراد جج و مجسٹریٹ یا ڈپٹی کمشنر کے اختیارات والا شخص ہے جسکو مسلمان غیر اسلامی حکومت میں رہ کر باختیار خود مقرر کرسکتے ہیں۔

اس سوال کے جواب میں مدرس صاحب آئمہ فقہار کا ایک قول ایک لفظ۔ ایک حرف ایسا پیش نہ کرسکینگے جسمیں یہ بیان ہو کہ ان اقوال فقہار میں قاضی یا امام سے مراد ایسا شخص ہے جسکو مجسٹریٹ کے جوڈیشل اختیارات فوجداری حاصل ہوں۔ اور وہ ان اختیارات کے ذریعہ سے اور زور حکومت سے لوگوں کو اپنے حکم کی تعمیل پر مجبور کرسکے۔ یہ بات امکان سے خارج ہے۔ اور ایسا فرض و خیال کرنا خلاف عقل و سلامت حواس ہے۔ کیونکہ جس حالت میں مسلمانوں کا اپنے طور پر قاضی یا امام کو تجویز کرنا اسصورت میں فرض کیا گیا ہے کہ بادشاہ ملک اور اُسکا نائب حاکم کافر ہوں اور حکومت ان ہی کفار کے دست اختیار میں ہو تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ وہ بادشاہ یا اُسکا نائب کافر مسلمانوں کو ایسا امام یا قاضی مقرر کرنے کی قدرت و اجازت دے۔ جو جوڈیشل اختیارات فوجداری رکھتا ہو جو خاصکر سلطنت اور حکومت کے اختیارات ہیں۔ مسلمانوں کا قاضی یا امام یہ اختیارات بذات خود رکھتا ہو تو پھر اس ملک کے کافر بادشاہ کی سلطنت و حکومت کے کیا معنے ہونگے۔

مدرس صاحب نے سوتے سوتے بے سمجھے بن سوچے یہ بات تو اخبار میں چھاپکر مشتہر کردی۔ مگر اپنے خداداد عقل و فہم سے کام لے کر صورت واقعہ و محل فرض مسئلہ خیال

میں نہ رکھی۔ مدرس صاحب عربی کتابیں پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ کتب فقہ بھی ملاحظہ فرماتے ہونگے مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپ فقیہ نہیں ہیں۔ اور اقوال فقہاء کے معنے نہیں سمجھتے۔ وہ فقہ کے معنے فقہاء اہل حدیث سے جو خدا کے فضل سے فقہ وحدیث دونوں میں نظر رکھتے ہیں سیکھیں۔ اور اُن اقوال فقہاء میں لفظ قاضی یا امام سے معنے ومراد ہم سے سنیں۔

ان اقوال میں قاضی یا امام سے مراد وہ شخص ہے جسکو مسلمان اپنے دینی ومذہبی امور متعلق عبادات وباہمی معاملات (جیسے نماز پڑھانا۔ بے ولی عورتوں کے نکاح کا متولی بنجانا لاوارث یتیموں کے مال کی حفاظت کرنا۔ اور انکے ترکات کو شرعی حکم تقسیم کے مطابق بانٹنا جس معاملہ ومتخاصمہ میں وہ چاہیں شرعی حکم دیدینا وغیرہ جو سلطنت اور حکومت سے خاص نہ ہوں) پرائیویٹ طور پر حاکم مقرر کرین۔ اور اُسکی پرائیویٹلی حکومت کا اثر وزور صرف اسیقدر ہو جسقدر ہر ایک قوم کا اپنی افراد قوم پر ہوتا ہے۔ کہ جو شخص افراد قوم سے قومی حکم عدولی کرتا ہے۔ وہ قوم سے علیحدہ کیا جاتا ہے۔ اس سے ملکر کھانا پینا یا (عوام کی اصطلاح میں) حقہ پانی بند۔ اس سے ناطہ رشتہ موقوف وعلے ہذا القیاس اسقدر پرائیویٹلی حکومت اور اسکے اثر سے کوئی سلطنت تعرض نہیں کرتی۔ اور اسکو اپنی حکومت کے لوازم سے شمار نہیں کرتے۔ بعض شہروں میں بعض قومیں (جیسے دھوبیوں کی قوم) ایسی پنچائتی حکومت جاری ہے۔ اور اسی سے قوم کے باہمی تنازعات انفصال پاتے ہیں۔ اور وہ کبھی عدالت سلطنت میں نہیں جاتے۔

یہی معنی لفظ قاضی سے ان فقہاء کی کلام میں مراد ہیں۔ اور لفظ امام سے تو خاصکر جمعہ کا امام یا ملا یا خطیب مراد ہے۔ چنانچہ ردالمحتار کی عبارت میں اُسکے اس فرض منصبی پر بلفظ اماما یصلی بہم الجمعۃ تصریح کیگئی ہے۔ اور ایسا امام ہر شہر وگاؤں میں جہاں جمعہ پڑھا یا جاتا ہے موجود ہے۔ اور ایسے قاضی بھی اکثر شہروں اور گاؤں میں پائے جاتے ہیں جو اپنے اپنے علاقہ کے مسلمانوں پر پنچائتی حکومت کر رہے ہیں جسپر سلطنت کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ اور جس جگہ ایسا قاضی مقرر نہیں ہے وہاں جمعہ کا امام تو ضرور ہی ہوتا ہے

اور وہی ادائے فرض جمعہ کے لئے کافی ہے۔ رہا تقرر قاضی فصل خصومات سو دوسرا فرض ہے جسکے ادا کرنے میں مسلمانوں کا قاصر رہنا جداگانہ قصور ہے جس سے جمعہ ساقط نہیں ہوتا۔

اگر اس معنے کی مدرس صاحب ہم سے سند و دلیل پوچھیں تو ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ فرض مسئلہ اور صورت واقعہ غیر اسلامی حکومت ہے۔ اور اسمیں مسلمانوں کے قاضی یا امام کی اسیقدر حکومت ممکن و متصور ہے۔ لہذا کسی فقیہ سے متوقع نہیں کہ وہ اس سے زیادہ حکومت پرائیویٹ قاضی کے لئے تجویز کرے۔ و معہذا ہم آپ کی طرح خود مجتہد نہیں بنتے۔ اور اپنے فہم و اجتہاد پر اکتفا نہیں کرتے اور اس معنے کی تائید و تصدیق کے لئے ایک ایسے شخص کے قول سے شہادت پیش کرتے ہیں جسکے فتوے و قول پر آپ اعتماد کر چکے ہیں۔ وہ حضرت **شاہ عبد العزیز صاحب** ہیں جو اسی فتاوے عزیزیہ کے دوسرے فتوے میں بصفحہ ۳۳ یوں فرماتے ہیں "واقامت جمعہ در دار الحرب اگر از طرف کفار والی مسلمان در مکانے منصوب باشد (اصل میں یوں ہی ہے۔ مگر صحیح لفظ منصوب معلوم ہوتا ہے بمعنے قایم و مقرر شدہ) باذن او جایز است والا مسلمانان را باید کہ یک کس را کہ امین و متدین باشد رئیس قرار دہند کہ باجازت و حضور او اقامت جمعہ و اعیاد و انکاح من لا ولی من الصغار و حفظ مال یتیم و قسمت ترکات متنازع فیہا علے حسب السہام معہود باشد بے آنکہ در امور ملکی تصرف کند و مداخلت نماید" ان الفاظ کو مدرس صاحب غور سے پڑہیں یہ اس قاضی سے جو ڈیشل فوجداری وغیرہ اختیارات کو جو ملک و مملکت و حکومت سے تعلق رکھتے ہیں کیسی نفی کرتے ہیں۔ اور کس صراحت کے ساتھ اس قاضی کو صرف پرائیویٹ یا پنچایتی حاکم نماز وغیرہ دینی امور کا منتظم قرار دیتے ہیں۔ اس سے بڑہ کر صریح شہادت مدرس صاحب کیا چاہتے ہیں۔

ہمارے وطنی اور دینی دوست **مولوی حافظ احمد علی صاحب** بٹالوی بھی ہمارے جواب اور شاہ عبد العزیز صاحب ان الفاظ کو غور سے پڑہیں۔ اور جو رسالہ **نور الشمعہ** کے صفحہ ۲۲ میں انہوں نے کہا ہے "کہ امام جمعہ سے معمولی ملا و خطیب مراد نہیں ہے۔ بلکہ وہ والی ملک مراد ہے۔ جو شرعی فیصلہ کرتا ہو۔ اور وہی جمعہ کا مقرر کرے تو جمعہ ہو سکتا ہے" اسکو دیکھیں

لیکن جس عبارت رد المختار سے استشہاد کرکے انہوں نے یہ بات کہی ہے اُسکا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔ اسمین تو صاف وصریح الفاظ میں یہ کہا ہے۔ کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے اتفاق سے ایک والی (یعنے رئیس اور پرائیویٹ حاکم) مقرر کرین وہ رئیس کسی کو فیصلہ جات کے لئے قاضی مقرر کردے۔ اور ایسا ہی مسلمان اپنے اتفاق کے ساتھ ایک پیش امام مقرر کرلین جو جمعہ کی نماز پڑھایا کریں۔ اس عبارت مین لفظ ینصبوا جسکے معنے امام مقرر کرنے کے ہیں جمع کا صیغہ ہے۔ جس کا فاعل ضمیر مسلمین ہے وہ لفظ واحد کا صیغہ نہیں ہے۔ کہ اسکا فاعل والی ہو اس عبارت میں تقرری پیش امام نماز جمعہ کی مسلمانوں کے اختیار مین رکھی گئی ہے۔ اور وہ ہر ایک معمولی خطیب و ملا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ تقرر قاضی کا والی کے اختیار میں رکھا گیا ہے۔ اور وہ دوسرے کام فصل خصومات کے لئے ہے۔ جسکو امام جمعہ سے کوئی تعلق خاص نہیں ہے۔ لہذا ہمارے دوست مولویصاحب حافظ حاجی کا اس عبارت سے یہ سمجھ لینا کہ اسمیں امام کا تقرر والی کے اختیار میں رکھا گیا ہے۔ اور اسوجہ سے عام لوگوں کے مقرر کیا ہوا ملا و خطیب اس سے مراد نہیں ہو سکتا۔ انکی سمجھ کی غلطی ہے۔ اس قسم کی باتیں خلاف تحقیق اس رسالہ میں شرائط جمعہ کے متعلق اور بہت بیان ہوئی ہیں۔ مگر ہم کو اسمقام میں جمعہ کی شرائط پر پوری بحث کرنا مد نظر نہیں۔ صرف ایک اسی امر کا بیان کہ علماء حنفیہ نے بادشاہ اور اسکے نائب کے کافر ہونے اور اس وجہ سے اسملک کے (بعض لوگوں کی رائے کیمطابق) دار الحرب کہلانے کیحالت میں جمعہ ترک کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ جمعہ کے لئے مسلمانوں کے اتفاق سے ایک امام تجویز کرنے کی تاکید ہے۔ سو بخوبی ہو چکا۔ رہی اور شروط جمعہ پر بحث سو پھر کسی موقعہ پر ہوگی۔ اور اسمیں اس رسالہ کے خلاف تحقیق باتوں پر مولوی صاحب کو اطلاع دیجائے گی انشاء اللہ تعالے۔ سو بھی محض برادرانہ و بطور نصیحت نہ مخاصمانہ۔

مسئلہ عنوانی پر کہ آیا ہندوستان دار الحرب ہے یا نہین۔ اور اگر ہے تو پھر اسمین اقوام غیر سے سود لینا جایز ہے یا نہیں علمی (قرآنی وحدیثی فقہی واصولی) بحث تو بخوبی ہو چکی۔ مگر اسمیں اخباری بحث باقی تھی (جو اسوقت کے اخبار نویس بغیر کسی کتابی سند یا علمی دلیل کے محض اپنی رائے

سے وقتاً فوقتاً کرتے ہیں۔ اور اسی رائے محض سے جو نہ کتاب اللہ سے مدلل ہوتی ہے۔ نہ حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مؤید نہ اقوال و روایات فقہیہ کی طرف مستند وہ احکام اسلام حلال وحرام پر اپنے فتوے جاری کرتے ہیں اور وہ اپنے اس فعل سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے اس نشانی قیامت کے اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة یعنے جب (دین کا) کام ایسے لوگوں کے سپرد جو اُسکے اہل نہ ہوں تو قیامت کا منتظر رہ (بخاری صفحہ ۱۴) کی تصدیق کر رہے ہیں) سو یہ بحث ایڈیٹر وکیل نے اٹھائی ہے۔ چنانچہ پرچہ ۲۸ فروری ۱۸۹۸ء میں پہلے اس مضمون کا یہ سوال نقل کیا ہے۔

"سود کے متعلق ایک صاحب حسب ذیل استفسار کرتے ہیں۔ (استفسار) بعض اصحاب اہل الرائے وایڈیٹران اخبار سیونگ بنک ڈاکخانہ کے سود کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ اسلئے پبلک عجب تذبذب کی حالت میں پڑی ہوئی ہے ؎

گہ چنیں بنماید و گہ ضد این ٭ جز بہ حیرانی نباشد کار دین

کوئی صاحب قطعی فیصلہ فرماویں کہ ڈاکخانہ کے بنک سے سود جائز ہے یا ناجائز۔ مگر نیم ملّا خطرہ ایمان فتوے تحریر فرمانے کی تکلیف نہ اُٹھاویں۔

راقم ایک حسابدار ڈاکخانہ

پھر اسکے ذیل میں کہا ہے۔

"آجکل سود کے مسئلہ پر عام بحث ہو رہی ہے۔ کئی اصحاب پرامیسری نوٹوں کے سود کے جواز کا فتوے دیتے ہیں۔ کئی دار الحرب میں مسلمانوں سے بھی سود لینے کی اجازت کا فتوے دے رہے ہیں بعض ہر جگہ اور ہر ملک میں سود لینے اور دینے والے اور گواہوں کو مستوجب عذاب اور گناہ کبیرہ کا مرتکب قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ کے نمبر ۷ و ۸ جلد ۱۰ میں چند دیگر علماء کی تائید سے یہی آخری رائے ظاہر فرمائی ہے۔ مگر اس رسالہ کی اس جلد کے نمبر ہائے ۵ و ۶ و ۷ میں ہم جب مولوی صاحب کو سلطان المعظم ٹرکی کی حمایت میں مرزا صاحب قادیانی کو سخت سست کہتا ہوا پاتے ہیں جسکا دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہے کہ مولوی صاحب

سلطان المعظم کے ہوا خواہ اور اُنکو (خلیفۃ المسلمین نہیں تو کم از کم) دیندار مسلمان ضرور تصور کرتے ہیں۔ اور ادہر سلطان المعظم کو دیکھتے ہیں کہ وہ اکثر سود پر قرض لیتے رہتے ہیں۔ اور گورنمنٹ عثمانیہ کا جو روپیہ بنکون میں جمع رہتا ہے۔ اوسکا سود بھی لیا جاتا ہے۔ تو ہم مولوی صاحب کو ایک سود خوار اور سود دہندہ بادشاہ کا اسقدر حامی دیکھکر سخت حیران ہوتے ہیں کہ آیا اُن کے فتوائے کو واجب العمل سمجھا جائے یا اس تعریف وحمائت کئے گئے بادشاہ کی تقلید کیجائے۔ قصہ مختصر ایک طرف قرآن شریف میں ربوا کی صریح حرمت دیکھتے ہیں۔ دوسری طرف خلیفہ رسول اللہ کو جو واقعی نہایت دیندار متقی۔ درویش سیرت ہونے کے علاوہ کل مسلمانونکا محبوب۔ اور اُنکی آنکھونکا تارا ہے۔ ملکی ضرورتون کے لئے سود دیتا اور لیتا ہوا پاتے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہورہا ہے کہ پانی ضرور کہیں مرتا ہے۔ اور سلطان کا یہ عمل "ربوا" کے دائرہ سے باہر ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو خواہ اُسکا ملک کوڑی کوڑی کے لئے عاجز و بیچارہ ہوجاتا۔ وہ کبھی شریعت غرائے محمدیہ کی مخالفت نہ کرتے۔ اور اگر بفرض محال وہ ایسا کر گذرتے تو انکے غیور اور دیندار مسلمان رعایا کبھی اُن کی متابعت نہ کرتی۔ یا کم از کم ان سے خوش نہوتی بہر نوع یہ مسئلہ ایسا پیچیدہ اور مشکل ہورہا ہے کہ اگر اسکا کوئی قطعی فیصلہ ہوکر معاملہ یک سو ہوجائے تو قوم وملت کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی امر مفید نہیں ہوسکتا۔ اسلئے ہم مولوی صاحب موصوف سے اپنی تحریر پر نظر ثانی کرنے کی درخواست کے ساتھ ہی دیگر علماء سے بھی التماس کرتے ہیں۔ کہ جو صاحب اس معاملہ کے متعلق قوم کو آگاہی بخشنی کی لیاقت رکھتے ہیں وہ ہر پہلو پر کافی غور کرنے کے بعد اوس لیاقت سے مُلک وملت کے مفاد کے لئے کام لے کر عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور ہوں۔ اور تاکہ اُن صاحبان کے فتاوے یا جوابات میں ایک قسم کی باقاعدگی پائی جائے۔ ذیل مین چند ایسے سوال درج کردیئے جاتے ہیں۔ جو اس مسئلہ کے متعلق عموماً ہر ایک کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) ربوا کے لغوی واصطلاحی معنے قرآن شریف میں وہ کن معنوں سے استعمال

کیا گیا ہے ۔ ربا اور مروجہ اصطلاحی سود کیا ہم معنے ہیں ؟

بعض اصحاب کا یہ رائے کہ ربا سے مراد یوزری (usury ۔ حد مناسب سے زیادہ بیاج لینا) اور سود سے انٹرسٹ (interest معمولی شرح سے منافع لینا) ہے کہاں تک درست ہے ۔

(۲) اگر ربا سے مطلق بڑہوتری خواہ وہ ایک فیصدی سالانہ کی شرح سے ہو مراد ہے تو خیرالقرون اور قرون مابعد میں لوگ ایک دوسرے سے کسطرح قرض لیتے ۔ اور حاجتمند اپنے کاروبار کے لئے کسطرح روپیہ بہم پہنچاتے تھے ۔ اور یہ انتظام کب سے درہم برہم ہوا ۔ اور کیا وہ اب قائم ہو سکتا ہے یا نہیں ۔

(ب) سلیمان صاحب قران دوم عثمانیہ خلیفہ نے سود کی تہائی شرح جو ۱۱ فیصدی مقرر کی تھی اسکا کیا مطلب تھا ؟

(۳) کیا حرمت ربا اور ادائے زکات کے احکام ایک دوسرے سے کچھ تعلق رکھتے ہیں ۔ اور ان دونو احکام کے نکات اور فوائد اور غایت کیا ہے ۔ ؟

ان سوالات پر سب سے عمدہ اور اطمینان بخش مضمون کیلئے کارخانہ وکیل نے بیس روپیہ نقد کا انعام دینا تجویز کیا ہے ۔"

اس بحث کے متعلق ہم پہلے استفسار سائل کا جواب دیتے ہیں (وہ مانے خواہ نہ مانے) کہ سیونگ بنک میں روپیہ جمع کرا کے اُسکا سود لینا قطعی حرام ہے ۔ اُسکی حرمت میں ابتدار اسلام سے زمانہ اجتہاد سرسید تک کوئی اختلاف نہ تھا ۔ اسوقت بعض حنفی علمار نے اسکے جواز کا فتوٰے دیا ہے تو وہ بھی درحقیقت در پردہ سرسید کے پیرو ہیں حنفی مذہب کو اُنہوں نے صرف اس شکار کی ٹٹی بنا یا ہوا ہے ۔ اس اجمال کی تفصیل کا شایق ہمارے اس مضمون زیر بحث "دارالحرب" اور اس سے پہلے فتوٰے مندرجہ نمبر ۷-۸ اور اس سے پہلے مضمون سود لاٹری قمار وغیرہ کو جو نمبر ۶ وغیرہ جلد ۱۲ شائع ہوا ہے دیکھے ۔

سائل کے اس فقرہ میں کہ "بعض اہل الرائے و ایڈیٹران اخبار سیونگ بنک کے سود کا جواز ثابت کرتے ہیں" ایڈیٹران اخبار کو مفتی بنانے اور مفتیان اسلام کو نیم ملا قرار دینے پر وہی ارشاد نبوی جو ہمنے بخاری سے نقل کیا ہے۔ یاد آکر روتا آتا ہے اور بے اختیار کہنا پڑتا ہے۔

ع فلیبک علی الاسلام من کان باکیا + سبحان اللہ دینی مسائل اور انکے مفتی ملکی اخباروں کے ایڈیٹر۔ خدا اسلام و مسلمانوں پر رحم کرے۔ اور ان علوم دین سے بے خبر مفتیوں سے انکو بچاوے۔

پھر اس استبعاد وکیل ہند پر کہ ہمنے رسالہ اشاعۃ السنہ نمبر ۷ و ۸ جلد ۸ میں حضرت سلطان المعظم کی حمایت کی۔ اور پھر اس سود لینے کو جسپر حضرت سلطان المعظم کا عمل ہے ناجائز کہا۔ مختصر معذرت کرتے ہیں کہ ہمکو یہ معلوم نہ تھا اور نہ آپ کے کہنے سے اسکا علم و یقین حاصل ہوا ہے کہ حضرت سلطان المعظم سود خوار ہین یا سود لینے کو بفتوے علماء سلطنت جائز رکھتے ہیں۔ آیندہ اگر آپ شاہی سندوں اور شیخ الاسلام اور دیگر اکابر علماء سلطنت ٹرکی فتوؤں سے ثابت کر دینگے کہ حضرت سلطان المعظم اور ان کی سلطنت کے علماء اس سود لینے کو جائز رکھتے ہیں تو ہم آپکے اس استبعاد کو دور کر دینگے۔ اور دو شق مین سے ایک شق ضرور اختیار کریں گے۔ (۱) یا تو ان فتوؤں کو (اگر وہ کتاب اللہ و سنت اور اقوال اکثر مجتہدین اہل سنت سے مؤید ہوئے) تسلیم کر کے اپنے فتوے عدم جواز کو واپس لے لینگے۔ اور (۲) یا اپنی اس حمایت کو (اگر حضرت سلطان کے فعل اور علماء کے فتوؤں کو بے دلیل پائینگے) واپس لے لینگے۔ ہاں بالفعل اسقدر کہنے سے نہیں رک سکتے کہ حضرت سلطان المعظم کا امیر المؤمنین یا خلیفہ ہونا تو صرف بہ خلافت خاصہ ہے (جو خاصکر سلطنت ترکی کی ملکی و مذہبی سرداری سے مراد ہے۔ اور وہ ہندوستان کے مسلمانوں سے تعلق نہیں رکھتی۔ چنانچہ اشاعۃ السنہ نمبر ۳ جلد ۱۸ کے صفحہ ۱ میں اسکی تشریح ہو چکی ہے۔ اور ایک مضمون اسباب میں عنقریب جلد ۱۹ رسالہ میں بھی نکلیگا۔ انشاء اللہ تعالے۔) اور اگر بالفرض حضرت سلطان المعظم خلافت عامہ سے خلیفۃ الاسلام و امیر المؤمنین

ہوتے ۔ اور تمام روئے زمین کے مسلمانوں پر ملکی و مذہبی سرداری رکھتے ۔ (اسکی تشریح بھلی ہی
رسالہ میں ہو چکی ہے ۔ اور آئیندہ بھی ہوگی) تو بھی اُنکی کوئی رائے یا عمل یا حکم جو کتاب اللہ
و سنت سے مستند نہ ہو کسی مسلمان کے لئے حجت و سند و لایق اقتدار نہ مانا جاتا کیونکہ اتفاقی
خلفائے خلافت عامہ حضرت ابوبکر صدیق رض و حضرت عمر فاروق رض و حضرت عثمان رض و حضرت علی رض
سلام اللہ علیہم اجمعین سے بعض ایسے اقوال و افعال سرزد ہوئے جو کتاب یا سنت کی طرف مستند
نہ تھے ۔ تو انکے ہم عصر صحابہ نے جو اُنسے ادنے درجہ کے لوگ تھے ۔ اُنکو نہ مانا ۔ اور بعض نے برملا
انکار کیا ۔ تو پھر حضرت سلطان المعظم کا کوئی عمل یا حکم (اگر وہ مخالف کتاب اللہ و سنت معلوم ہو)
کیونکر تسلیم کیا جایئگا ۔ خلفا اربعہ کے اس قسم کے اقوال یا افعال کے ملاحظہ کا شوق ہو تو ہماری
مضمون مخفیات و مواخذات صحابہ کو جو ضمیمہ اخبار* سفیر ہندوستان امرتسر ۱۸۷۳ء میں چھپا ہے
ملاحظہ فرمائیں ۔ از انجملہ چند تمثیلیں اس مقام میں نقل کیجاتی ہیں ۔

حضرت عمر رض جب ابو موسے رض کو تین دفعہ اذن لے کر پھر جانے پر ڈانٹا ہے (جس کا ذکر مخفیات
عمر میں گذرا) تو ابو سعید خدری رض آپ پر معترض ہوئے ۔ اور بولے یا ابن الخطاب لا تکونن عذابا
علی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اے خطاب کے بیٹے آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کے اصحاب کو دُکھ نہ دے ۔ اگرچہ حضرت عمر رض نے اپنی خفگی کی وجہ تبلائی کہ مینے تحقیق حدیث
چاہی تھی ۔ ولیکن چونکہ ابو سعید کی سمجھ میں وہ خفگی بیوجہ تھی اسلئے وہ اعتراض سے نہ ٹلے ۔ اس حدیث میں
ہے کہ حضرت عمر رض حدیث سنکر افسوس کیا اور اُسکی طرف رجوع فرمایا اور مان لیا ۔ (مسلم صفحہ ۲۱۱ جلد ۲)

آپ نے تمتع سے (حج و عمرہ کے مابین احرام کو کھولدینا) منع کیا تو آپکے فرزند عبداللہ نے
نہ مانا اور ایک شام کے باشندہ کو جواز کا فتوے دیا ۔ اُسنے کہا تمہارا باپ (عمر) تو منع کرتا تھا
اسکے جواب میں وہ بولے ارأیت ان کان ابی نہی عنہا و صنعہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
امر ابی یتبع ام امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی تبلا تو اگر میرے باپ نے اس سے منع کیا ہو
اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا ہو تو میرے باپ کا کہا مانا جایئگا یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

* یہ پرچے دفتر اشاعۃ السنہ لاہور و بٹالہ ضلع گورداسپور سے بقیمت ۴ر مل سکتے ہیں ۔

ایسا ہی عمران بن حصین صحابی آپ پر معترض ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمنے آنحضرت کے ساتھ تمتع کیا۔ اور قرآن میں بھی اسکا حکم آیا۔ پھر کوئی آیت اسکی ناسخ نازل نہیں ہوئی۔ اور نہ آنحضرت نے اس سے منع کیا۔ جب آنحضرت نے رحلت فرمائی سے تو ایک آدمی (یعنے عمر) اپنی رائے سے اس سے منع کرنے لگا ہے۔ (ترمذی ص۱۰۷ و صحیح بخاری ص۲۱۳ و صحیح مسلم ص۴۰۳ ملخص طبقات ذہبی۔

حضرت عثمان (رضی اللہ تعالے عنہ) نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں عمارت قدیم پر زیادتی و تکلف کیا تو بہت لوگ آپ پر معترض ہوئے۔ پس آپنے اُنکے جواب میں یہ کہا کہ میںنے حضرت سے سُنا ہے کہ جو کوئی خدا کے لئے مسجد بنادے تو بہشت میں اُسکے لئے ویسا ہی گھر بنتا ہے۔ (بخاری ص۶۴ و مسلم ص۲۰۱)

حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ نے مرتدون کو جلایا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ پر معترض ہوئے۔ آپ نے انکا اعتراض سُنکر کہا کہ ابن عباس نے سچ کہا ہے۔ (بخاری ص۴۲۳ ترمذی ص۱۸۹)

یہ تو ان حضرات سے فرداً فرداً اقوال و افعال کی مثالیں ہیں۔ ہمارے علمای اہل سنت نے شیخین و حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کے اتفاقی افعال و اقوال بلکہ خلفاء اربعہ (ان دونو حضرات اور حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ) کے اتفاقی افعال و اقوال کو حجت شرعیہ تسلیم کیا اور اسکو اجماع اُمت جو ایک حجت شرعیہ ہے قرار نہیں دیا۔

کتاب **مسلم الثبوت** میں جو حنفی مذہب کے ایک مشہور و معتبر درسی کتاب ہے لکھا ہے کسی

لا ینعقد الاجماع باھل البیت وحدھم خلافا للشیعۃ۔ لادعاھم العصمۃ ولا بالشیخین عند الاکثر ولا بالخلفاء الاربعۃ خلافا لاحمد و لبعض الحنیفۃ (مسلم)	عمل یا قول پر صرف اہلبیت نبوی کے اتفاق سے اجماع ثابت نہیں ہوتا اسمیں اختلاف صرف شیعہ کو ہے کیونکہ وہ اہلبیت کو خطا سے معصوم جانتے ہیں اور نہ اکثر علماء کے نزدیک صرف شیخین کے اتفاق سے اجماع

شرعی ثابت ہوتا ہے۔ اور نہ ہی چاروں خلفاء کے اتفاق سے اجماع ثابت ہوتا ہے۔ اسمیں ایک امام احمد اور بعض حنفیہ کو خلاف ہے۔ یہی گذارش وکیل کی اس دست آویز کی نسبت ہے جو اُنہوں نے پیش کی ہے کہ "اگر بالفرض حضرت سلطان المعظم سود لینے میں شریعت کا خلاف کرتے تو انکے غیور اور دیندار مسلمان رعایا کبھی انکی متابعت نہ کرتے یا کم از کم اُنسے خوش نہ ہوتے"۔

ایڈیٹر صاحب وکیل اوّلاً یہ ثابت کریں کہ حضرت سلطان المعظم سود لیا کرتے ہیں۔ پھر یہ ثابت کریں کہ انکی اس فعل میں فلان دیندار غیور علماء و مشائخ نے اُنکی متابعت کی ہے پھر اسکے جواب میں ہماری وہی معذرت پڑھ لیں۔

علاوہ بریں یہ گذارش بھی اسکے متعلق نامناسب نہیں کہ ایڈیٹر صاحب وکیل سوچ سمجھکر اور حالات واقعہ دریافت کرکے ہمکو یہ بتاویں کہ سلطنت ٹرکی کے خواص و عوام رعایا۔ یا ارکان دولت کی صورت ولباس واخلاق واعمال کے متعلق کسی حکم شریعت کا خلاف ہوتا ہے۔ یا اس سلطنت کی رعایا وارکان دولت سب کے سب خطا و گناہوں سے ایسے معصوم ہیں جیسے تمام مسلمانوں کے نزدیک فرشتے اور انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ اور خاصکر شیعہ کے نزدیک آئمہ اہلبیت نبوی معصوم ہیں۔ یہ امید نہیں کہ ایڈیٹر صاحب وکیل اُن کی عصمت کا اعتقاد رکھتے ہوں یا ادعا کریں۔ ضرور وہ بعض افعال وعادات میں انکے خطا کے قائل ہونگے پھر وہ ہمکو بتاویں کہ ان افعال وعادات پر وہاں کے غیور و دیندار علماء و مشائخ کیا ناخوشی ظاہر کرتے یا کرسکتے ہیں یہ نہ بتا سکیں تو ان ہی کے شمار و قطار میں اس مسئلہ سود کو سمجھ لیں۔ ہم اس قسم کی چند نظیریں ذکر کرنا چاہتے تھے۔ مگر اس خوف سے ذکر نہیں کرسکتے کہ ہمارے اس ناصحانہ ذکر کو سلطنت پر طعن و بے ادبی سمجھا جائیگا اور ہماری اس ارادت وعقیدت کو جو حضرت سلطان المعظم (خلد اللہ ملکہ سلطانہ) اور انکی بابرکت سلطنت کی نسبت ہمارے دل میں ہے جسکو ہم نمبر ۵ وغیرہ جلد ۱۸ میں مضمون حمایت سلطان المعظم میں ظاہر کر چکے ہیں سوء ظنی سے اور رجماً بالغیب جھٹلایا جائیگا۔ لہذا ہم اس سے کف لسان کرکے اس مجمل سوال وجواب پر اکتفا کرتے ہیں۔

اخیر میں ہم وکیل کے ان تین سوالوں کا جواب دیتے ہیں۔

جنکو وہ اس مسئلہ کے حل کے لئے امور تنقیح قرار دے چکے ہیں۔ اور وہ بنا بر تقلید سرسید یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ان سوالات کا جواب وہی ملے گا۔ جو سرسید کی تفسیر سے مفہوم ہوتا ہے۔ اور وہ سود کو حلال کردے گا۔

اس جواب کے لئے وکیل نے اسی مضمون میں بیس روپیہ کا انعامی اشتہار دیا تھا۔ مگر معلوم نہیں کہ کوئی جواب حسب مدعا و پسند خاطر وکیل انکے پاس پہنچا ہے۔ اور وہ اس اخبار میں مشتہر ہوا ہے یا نہیں۔ کیونکہ وکیل نے اپنا کوئی پرچہ ہمارے پاس نہیں بھیجا۔ حالانکہ جس پرچہ میں انہون نے ہم سے خطاب کیا تھا اسکا بھیجنا اپنے فرض تھا خصوصًا اس حالت میں کہ اسکا بدلہ (نمبر ۷ و ۸ وغیرہ جلد ۱۸) جسمیں فتوائے متعلق امانت رکھنے مال مسلمانوں کے سودی بنکون میں درج ہے۔ اور اس سے پہلے پرچے (جنمیں حضرت سلطان المعظم کی حمایت ہوئی ہے) ان کو ہمارے طرف سے پیشگی پہنچ چکا تھا۔ اس ارسال بدل سے ان کو نئی تہذیب نئی روشنی مانع ہوئی ہے۔ جیساکہ ایک اور نئی تہذیب اور نئی روشنی والی اخبار چودھویں صدی کو اس سے مانع ہوئی ہے۔ کہ اُنہون نے ہمارے رسالہ کی کامل جلد ۱۷۔ اور جلد ۱۸ کے چار نمبر تو وصول کرلئے۔ اور انکے مبادلہ میں اپنے اخبار کا وہ پرچہ بھی ارسال نہ کیا جس میں ہمارا ذکر اور ہمارے مذاکرہ سرسری لاہور کا غلط واقعہ درج تھا۔ اس فعل میں یہ لوگ معذور و مجبور ہیں نئی تہذیب نئی روشنی اُن کو یہی ہمدردی اور یہی اخلاق سکھاتی ہے۔

اب اگر انکے سوالات کا جواب انکے پاس پہنچا ہے اور وہ درج اخبار ہوا ہو تو اُسکا وہ پرچہ ویلیو ایبل پارسل کے ذریعہ ارسال کریں۔ اور اگر ہنوز کوئی جواب اُنکے پاس نہیں پہنچا تو بیس روپیہ انعام سابق کے ساتھ بیس روپیہ ہماری طرف سے شامل کرکے دوبارہ چالیس روپیہ انعام کا اشتہار دیں۔ ہماری طرف سے اس انعام دینے کی شرط یہ ہے کہ اس جواب میں ہمارے جواب و تحقیقات کا خلاف ثابت و مدلل کیا جائے۔ اس انعامی اشتہار کے ساتھ وہ ہمارے جوابات یا اُنکا خلاصہ اپنی اخبار میں درج کردیں تاکہ کوئی مجیب سوالات مذکورہ کا جواب دینے میں ان امور کا

اعادہ نہ کرے۔ جسکا جواب ہم دے چکے ہون۔

ہماری طرف سے **پہلے سوال کا جواب** یہ ہے کہ ربو کے لغوی معنے تو مطلق زیادتی یا بڑہوتڑی کے ہیں۔ اور اصطلاحی شرعی معنے **ربو** خاص کردہ **بڑہوتڑی** ہے جو چھ چیزوں (چاندی۔ سونے۔ گیہون۔ جو۔ نمک۔ کھجور۔) کی بیع یا جوان چیزوں کی جوانکی مانند ہم جنس و ہم پیمانہ ہون۔ کی بیع میں جو اپنی جنس کے ساتھ ہو۔ جیسے سونے کی بیع سونے سے یا چاندی کی بیع چاندی سے پائی جاوے۔ **یا وہ بڑہوتڑی** جو ہر قسم کے قرض مین پائی جاتی ہو۔ اس بڑہوتڑی کے ربو ہونے میں ابتدار اسلام سے سرسید کے زمانہ اجتہاد تک کسی مسلمان سلف و خلف نے یوزری (یعنے حد غیر مناسب کی زیادتی بیاج) کی قید نہیں لگائی۔ بلکہ بغیر کسی قید کے ہر ایک بڑہوتڑی کو خواہ فی صدی ایک پیسہ ہو ربو قرار دیا ہے۔ اسمیں جو یہ قید لگائی جاتی ہے وہ سرسید کے زمانہ اجتہاد سے لگائی جانی شروع ہوئی ہے۔ چنانچہ سرسید خود بدولت اپنی تفسیر کے صفحہ ۳۰۳ میں فرماتے ہیں۔ علماء اسلام کی یہ رائے ہے کہ اسمیں کسی قسم کی قید یا تخصیص نہیں ہے۔ مگر میں قرآن مجید کے روسے ایسا نہیں سمجھتا۔ بلکہ میری یہ سمجھ ہے۔ کہ قرآن مجید کے روسے اس قسم کے ربو کے حرام ہونے میں ایک تخصیص پائی جاتی ہے جو آئندہ بیان ہوگی۔"

پھر وہ قید یا تخصیص اپنے صفحہ ۳۰۴ میں تفسیر کے یہ بیان کی ہے کہ ربو اس بڑہوتری کا نام ہے جو غریبوں و فقیروں کو قرض دیکر اُسپر سود لیا جائے۔ اور آپ کے بعض اتباع نے یہ قید لگادی کہ وہ **ربو یوزری** ہے یعنے جو حد مناسب سے زیادہ بیاج لیا جاوے مگر ان دونوں قیدوں پر کوئی دلیل قرآن اور حدیث میں پائی نہیں جاتی۔ اور جن جن آیات قرآن کو یہ صاحب دلیل سمجھتے ہیں انکا اس تخصیص پر دلیل نہ ہونا۔ اشاعۃ السنہ نمبر ۶ جلد ۱۲ کے صفحہ ۱۸۲ و صفحہ ۱۹۲ تک بیان ہوچکا ہے۔

جواب سوال دوم۔ خیر القرون اور اُسکے مابعد قرون میں مطلق بڑہوتری کو ربو

سمجھا جاتا تھا۔ اور انمیں لین دین قرض محض بطور تبرع واحسان ہوتا تھا۔ اور انکو قرض کے عوض میں اگر کچھ بلا تقرر بطور تحفہ بھی ملتا تو انکو وہ ربو سمجھتے۔ **صحیح بخاری** میں ابو موسے کے بیٹے ابو بردہ سے روائت ہے کہ میں مدینہ میں عبد اللہ بن سلام سے ملا تو اُنہون نے فرمایا تو ایسی جگہہ رہتا ہے جہاں سود کا لین دین پھیلا ہوا ہے۔ پس اگر تیرا کسی کے ذمہ کچھ قرض ہو اور وہ تجھے بھس یا جو یا گھاس کا پشتارہ (گٹھڑ) بھیجے تو تو مت لے۔ کیونکہ یہ سود ہے۔ **ابن ابی شیبہ** نے اپنی کتاب (مصنف) میں عطا سے نقل کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہر ایسے قرض کو جو کسی قسم کی منفعت کھینچے بُرا سمجھتے تھے۔

وعن ابی بردة بن ابی موسیٰ قال قدمت المدینة فلقیت عبد اللہ بن سلام فقال انک بارض فیها الربو فاش فاذا کان لک علی رجل حق فاهدی الیک حمل تبن او حمل شعیر او حمل قت فلا تأخذ فانه ربوا۔ رواه البخاری فی صحیحه (منتقی الاخبار نیل الاوطار صفحہ ۹۹ ج ۵)

وروى ابن ابی شیبة فی مصنفه عن عطاء قال کانوا یکرهون کل قرض جر منفعة (تخریج ہدایہ زیلعی و فتح القدیر)

اس سوال کے ضمنی سوالات کا جواب یہ ہے کہ جب سے بعض مسلمانوں نے شریعت کو چھوڑا تب سے انمیں یہ سلسلہ احسان و تبرع درہم و برہم ہوا۔ اور آئندہ بھی اس کی امید منقطع ہے۔ جب تک نئی روشنی نئی مذہب ترقی پر ہے۔ مسلمانان ہندوستان میں اس تہذیب کے بانی سر سید اگرچہ دنیا سے سدہار گئے۔ مگر اپنی جگہ ایسے خلیفے بہت سے چھوڑ گئے ہیں جو اُنکے قائم کردہ اصول و مسائل پر فدا ہیں۔ اور ان کی اشاعت میں سرگرم جب تک وہ ہیں۔ اور وہ مسئلہ حلت سود کی اشاعت میں سرگرم ہیں۔ اُس پرانے سلسلہ تبرع و احسان کا اعادہ محال ہے۔ اس سوال کے ضمن (ب) کا جواب ہم کچھ نہیں دیسکتے جب تک کہ آپ ہماری معذرت اور گذارش سابق کا جواب نہ دیں۔ اور اگر غور کریں تو اس سوال کا جواب اس میں آگیا ہے۔

تیسرے سوال کا جواب حرمت ربوٰا اور ادائے زکوٰۃ کے احکام ایک دوسرے سے کچھ تعلق نہیں رکھتے بنجر اسکے زکوٰۃ وغیرہ صدقات سود خواری کی اضداد ہیں۔ سود خواری لوگوں کے مال مفت لینا ہے۔ اور زکوٰۃ وغیرہ صدقات اسکا عکس یعنے لوگوں کو مفت مال دینا۔ زکوٰۃ وغیرہ صدقات میں حکمت و فائدہ و نکتہ یہ ہے۔ کہ صدقہ سے نفس کی رزالت بخل دور ہو۔ اور زکوٰۃ دینے کی عادت سے سود کے ذریعہ لوگون کے مال مفت مارنے کی عادت جاتی رہے۔ جو شخص خدا کی راہ میں صدقہ کرے اور لوگون کو مال مفت دے اُسکے دل میں سماحت اور یہ خیال پیدا ہو جائے کہ میں خدا کی راہ میں مال دیتا ہون۔ تو لوگون کے مال مفت کیوں لوں۔ اور جو نکتہ و فائدہ حکم صدقات کا سرسید نے تفسیر میں بیان کیا اور کہا ہے کہ حکم حرمت ربوٰ سے پہلے۔ اور پیچھے حکم صدقہ کا اس غرض و حکمت کے لئے ہے کہ فقیروں سے سود نہ لیا جائے غنیون سے بے شک لیا جائے۔ یہ سراسر غلطی اور دھوکھ دہی ہے جسکا بیان انشاءاللہ نمبر ۶ جلد ۱۲ کے صفحہ ۱۸۵ مین تفصیل و بادلیل ہو چکا ہے۔ ان جوابات سے امید ہے۔ کہ ناظرین باانصاف بخوبی سمجھ جائیں گے کہ سود تھوڑا ہو خواہ بہت غنیوں سے لیا جائے خواہ فقیروں سے ہرگز حلال نہیں ہو سکتا۔ اور جو جوابات ان سوالات کے سرسید کی تفسیر سے معلوم ہوتے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ اور وکیل کا اُن سوالات کو امور تنقیح قرار دینا اُن کی غرض و مدعا کا مثبت نہیں ہو سکتا۔ آئندہ جو صاحب ان سوالات کے متعلق خامہ فرسائی کریں وہ اولاً ہمارے جوابات کو غور سے پڑھ لین۔ پھر قلم کو ہاتھ میں لیں

اخباری بحث کا جواب بھی کافی و شافی ادا ہوا جیسا کہ پہلے فقہی بحث کا جواب پورا ہو چکا ہے۔ **اب** ہم اس مضمون کو **ختم** کرتے ہیں۔ اور ناظرین خصوصاً اپنے علاتی اخوان مقلدین مذہب حنفی علے الخصوص مولوی محمد حسن صاحب مدرس اور اُنکے معتقد **مولوی صاحب وکیل** لاہوری سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس مضمون کو توجہ سے پڑھیں۔ پس اگر ان کو صحیح پاوین تو اپنے توافق سے اطلاع دین۔ اور اسمیں غلطی یا خطا

پاویں تو اُسپر ہم کو آگاہ کریں اور اس مضمون کی تائید میں ایک اور فتوی لکھتے ہیں اسمیں بھی ہم اپنے حنفی بھائی علماء و عوام کو سود خواری یا قمار بازی سے بچانا چاہتے ہیں۔

اس فتوی میں بھی ہم کو خوش قسمتی سے ان ہی مولوی محمد حسن صاحب مدرس راولپنڈی ساکن بھین ضلع جہلم سے مخاطب ہونا پڑا ہے۔ کیونکہ علمائے پنجاب سے ہمارے علم و گمان میں ان ہی کے نام نامی پر روز ازل میں تجویز حلت سود کا قرعہ ڈالا گیا ہے۔ وہی صاحب ہیں جنہوں نے پہلے سیونگ بنک سے سود لینے کا فتوے جاری کیا۔ اور اسکو سراج الاخبار ۱۵ جولائے ۱۸۹۵ء وغیرہ میں مشتہر کیا۔ وہی صاحب ہیں جنہوں نے بعض اسلامی انجمنوں کی ان تجاویز کو جنمیں سود کا لین دین و معاونت پائی جاتی ہے پسند کیا اور جایز رکھا۔ چنانچہ ان کا اس مضمون کا ایک فتوے انجمن محمدی برادران و مربی عیال مسلمانان ہندوستان لاہور کے پرچہ قواعد و اغراض میں مشتہر ہوا ہے۔

اس فتوی کی تحریر پر ہم کو باعث قدیم اُن انجمنوں کی غیر مشروع تجاویز کا تمام اخباروں میں مشتہر ہونا۔ اور بہت سے ناواقف بے ڈر و لاپرواہ مسلمانوں کا بطمع* مال اسمیں مبتلا ہو جانا۔ اور دیندار و پرہیزگار مسلمانوں کا جو باوجود طمع مال خدا کا خوف بھی رکھتے ہیں۔ اور وہ اپنے طمع کو ناجایز طور پر پورا کرنا نہیں چاہتے۔ ان انجمنوں کی تجاویز کی نسبت ایک مدت سے ہم سے استفسارات کرتے رہنا۔ اور ہم کو اُن کے جواب میں قلمی فتوے لکھتے رہنا جو ہمارا بہت سا وقت لے چکے ہیں تو تھا ہی تھا۔ سردست و دم نقد اسکا باعث حضرت شیخنا شیخ الکل شمس العلماء و ضیاء الفقہا حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی کا فرمان عالی ہوا ہے۔ جنکے پاس انجمن معین المسلمین لاہور کا اس مضمون کا استفتا پہنچا تو آپ نے بحسب عادت کریمہ قدیمہ جو استفتاء معرکۃ الآراء کے جواب نویسی کی متعلق قدیم سے پسند خاطر حضور والا ہے وہ استفتا جواب کے لئے خاکسار کے پاس ارسال فرمایا۔

*نمبر۔ ان بیچاروں کو اس طمع میں مبتلا کر نیوالا اس مضمون کے اشتہارات ہیں جنمیں یہ خبریں چھپتی ہیں کہ فلاں فنڈ میں فلاں شخص نے صرف تین روپیہ دیئے (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۳۷۶)

وازانجا کہ تعمیل ارشاد حضور مولانا سب کاموں سے مقدم ہی لہذا اس استفتا کا جواب بسط تفصیل کیساتھ لکھنا پڑا انہی دنونمیں تنبول فنڈ گورداسپور کی نسبت بھی استفتا آئے وہ بھی اس مضمون کی تحریر پر باعث ہوئے یہ مضمون ان سب انجمنوں کی نسبت کافی ہوگا منجملہ ان استفتاءات ایک استفتا انجمن معین المسلمین دوسرا استفتا نسبت مسلم تنبول فنڈ اس فتوی میں نقل کیے جائینگے انشاء اللہ تعالے

یہ ایک مختصر ریمارک ہو افتوی جلد ۹ ا میں ناظرین پڑہینگے ۔ اس جلد میں اسکی گنجائیش نہ تھی

فتوی دار الحرب کے متعلق علماء باوقار و ایڈیٹران اخبار سے درخواست

حضرات علماء اسلام خصوصاً ان حضرات سے جنہوں نے پہلے فتوی پر دستخط کیے ہیں درخواست ہی کہ وہ اس فتوی متعلق دار الحرب کی نسبت اپنی اپنی آراء ظاہر کریں۔

اور ایڈیٹران اسلامی اخبارات خصوصاً ان صاحبوں سے جو غلط واقعہ سرسری نظر اکرہ لاہو کو درج اخبار کر چکے ہیں درخواست ہے کہ وہ اس فتوی کا دو سطری خلاصہ اپنے اخباروں میں درج کر کے طالبین حق و تحقیق کو اس فتوے کیطرف توجہ دلاویں۔

اور اسکے عوض میں دو سو پچاس روپیہ لئے ۔ پیسہ اخبار ۱۶ اپریل ۱۸۹۸ء میں ایک اشتہار چھپا ہے۔

دو ہزار آٹھ سو تین روپیہ مفت تقسیم کئے گئے

مسلم تنبول فنڈ گورداسپور اپریل ۱۸۹۷ء میں کھولا گیا تھا۔ ایک سال کے عرصہ میں (۱۵۰۰) ممبر ہو گیا ہے اور اپریل ۱۸۹۸ء میں مفصلہ ذیل گیارہ اشخاص کو فی کس ۲۵۰ روپیہ کی امداد دیگئی۔ حالانکہ ان لوگوں نے صرف تین تین روپیہ فی کس فنڈ میں داخل کیے گئے۔

(۱) انجمن حمایت اسلام لاہور ۲۵۰ (۲) اللہ یار مظفر گڈہ ۲۵۰ (۳) حسین بخش۔ کلانور ۲۵۰ (۴) حافظ عبد الہی سیمبریال ۲۵۰ (۵) کریم بخش خیاط۔ گورداسپور ۲۵۰ (۶) دولے خاں۔ بابانوالہ ۲۵۰ (۷) یعقوب خان۔ بابانوالہ ۲۵۰ (۸) نواب دین۔ بٹالہ ۲۵۰ (۹) فرید خان سلوترہ ۲۵۰ (۱۰) احمد دین۔ بوتالہ ۲۵۰ (۱۱) معظم بیگ نابہہ ۲۵۰ (۱۲) گوہر شاہ۔ گورداسپور ۲۵۰

مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ جلد اس کار خیر میں شریک ہوں مفصل قواعد طلب کرنے کے لئے ایک آنہ کا ٹکٹ ارسال کریں۔ درخواست داخلہ مفت ارسال ہوگی۔ تمام خط و کتابت ذیل کے پتہ پر ہو۔

المشتہر
مینجر تنبول فنڈ گورداسپور

مطبوعہ اسلامیہ پریس لاہور